فروری 88ء

قد افلح من تزکّٰی و ذکر اسم ربّه فصلّٰی

القرآن الحکیم

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا

المجاهد من جاهد نفسه

حدیث شریف

مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے

ماہنامہ المرشد چکوال

بیادِ

شیخ العرب والعجم صدیق دوراں مجدد طریقت مجتہد فی التصوف بحر علوم شریعت

امام اولیاء شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ حضرت العلام قلزم فیوض برکات

اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

دار العرفان منارہ ضلع چکوال

حروف بجانب شمارہ ھذا ضبط کیا - (بحوالہ المرشد جون سنہ 88ء صفحہ ۵)

المرشد

دارالعرفان - منارہ، ضلع چکوال

جلد ۹	جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ ہجری - فروری ۱۹۸۸ء	شمارہ ۶

اس شمارہ میں

- ادارِیہ ______ ۲
- باتیں ان کی خوشبو خوشبو ______ ۵
  حضرت مولانا اللہ یار خان
- اسرار التنزیل ______ ۷
  حضرت مولانا محمد اکرم
- رسول کا مقام ______ ۱۷
  عبدالغفور
- علم، معرفتِ باری کا نام ہے ______ ۲۲
  حضرت المکرم
- چترال - ایک بار پھر ______ ۳۸
  ڈاکٹر عظمت اقبال بٹر
- اتحاد بین المسلمین ______ ۵۳
  پروفیسر عبدالرزاق

بیاد

حضرت العلام مولانا

اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سرپرست

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہٗ

مدیرِ مسئول

پروفیسر حافظ عبدالرزاق

(ایم اے اسلامیات، ایم اے عربی)

مدیرانِ اعزازی

ابو طلحہ

ملک عبدالغفار

بدل اشتراک

چندہ سالانہ ______ ۷۵ روپے

ششماہی ______ ۴۰ روپے

فی پرچہ ______ ۷ روپے

سول ایجنٹ

اویسیہ کتب خانہ

الوہاب مارکیٹ - اردو بازار لاہور

خطاطی: سعید احمد، ٹاؤن شپ لاہور

طابع وناشر: حافظ عبدالرزاق ● مطبوعہ: شرکت پرنٹنگ پریس لاہور ● مقامِ اشاعت: دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال

اداریہ

آج سن عیسوی کے نئے سال کا پہلا مہینہ آٹھ روز کا ہو رہا ہے یعنی جنوری ۱۹۸۸ء کی آٹھ تاریخ ہے۔ میں بیت اللہ شریف کے سامنے بیٹھا ہوں اور میرے گرد بلکہ میرے ساتھ اور میرے پیچھے پاکستان، سعودیہ کے مختلف شہروں، متحدہ عرب امارات اور برطانیہ سے آئے ہوئے ساٹھ کے قریب احباب بیٹھے ہیں کچھ پاکستان سے ساتھ آئے تھے اور باقی حضرات یہاں احرام باندھے انتظار کر رہے تھے۔ سحری کے وقت ہم سب نے مل کر عمرہ کیا۔ اور اب حلال ہو کر لباس بدلا اور نماز جمعہ کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ میری نگاہیں بیت اللہ شریف کی بلائیں لے رہی تھیں جو اسی عظمت کے ساتھ سینہ تانے کھڑا ہے جو اسے اللہ نے بخشی ہے۔ لاکھوں پیشانیاں ہر آن اس کی طرف سربسجود رہتی ہیں کہ یہی سارے عالم اسلام کا قبلہ ہے۔ اللہ کریم اسے ہمیشہ اسی عظمت کے ساتھ اور اسی شان و شوکت کے ساتھ کھڑا رکھے کہ یہ روح کائنات ہے۔ اگر یہ نہ رہا تو یہ کاروبار حیات بھی نہ رہے گا اور دنیا کی بساط لپیٹ دی جائے گی۔

یہ ۱۹۶۰ء یا ۱۹۶۱ء کی ایک ڈوبتی ہوئی شام تھی۔ حضرت استاذ المکرم رحمت اللہ علیہ چند احباب کے ساتھ پکی سڑک پر بس کے انتظار میں تشریف فرما تھے۔ ونڈہ شاہ بلاول کا اڈہ تھا اور چھوٹی سی چائے کی دکان ہوا کرتی تھی۔ ہم اس سے ذرا دور سڑک کے کنارے ریت پر بیٹھے تھے۔ حضرتؒ ایک پتھر پہ تشریف رکھتے تھے کہ آپ نے ایک خادم سے فرمایا۔ بھئی دیکھو میرے ساتھ بارگاہ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا مراقبہ کرو۔ چلو مراقبہ شروع ہو گیا۔ آپ نے فرمایا میرا سلام عرض کرو اور درخواست پیش کرو کہ حاضری کو بہت جی بیتاب ہے۔ روحانی حضوری تو ہر آن نصیب ہے جسمانی حاضری کا شوق بہت بڑھ گیا ہے ساتھی نے جواباً عرض کی کہ ارشاد ہوتا ہے ابھی کچھ وقت لگے گا۔ اچھا پھر عرض کرو کیا میرے نصیب میں حج ہے۔ ارشاد ہوا ہاں۔ پھر عرض کی یہ فرما دیجئے دیر کیا ہے۔ ارشاد ہوا کہ جو آدمی اس دور کا غوث ہے جب وہ دنیا سے اٹھے گا تو مناصب آپ کے سلسلہ میں آئیں گے اور تب آپ کو حج نصیب ہو گا۔ اب حضرت نے فرمایا دیکھو غوث صاحب آجکل کہاں تشریف فرما ہیں اور کس سلسلہ سے متعلق ہیں۔ اسی ساتھی نے پھر عرض کیا کہ حضرت مکہ مکرمہ میں نظر آتے ہیں۔ ایک چھوٹا سا کمرہ ہے اور ضعیف العمر آدمی ہیں۔ سلسلہ قادریہ سے ہیں۔ اس زمانہ میں نہ حلقۂ ذکر تھا اور نہ ہی کوئی بڑی جماعت۔

چند لوگ جو پانچ چھ سے زیادہ نہیں تھے حضرتؒ سے سلوک کی برکات حاصل کرنے کے لیے خدمت عالی میں رہا کرتے تھے۔ زمانہ گزرتا رہا حتی کہ ستر کی دہائی شروع ہو گئی۔ ایک دو سال اس کے بھی گزرے تو حضرت حج کے لیے تشریف لائے۔ گویا یہ اشارہ تھا کہ اب مناصب ولایت اس سلسلہ عالیہ میں منتقل ہو چکے ہیں اور تب تک ایک حلقہ ذکر کی صورت بھی بن چکی تھی پھر تقریباً ہر دو سال بعد حج یا عمرہ کے لیے حضرت تشریف لاتے رہے جس میں مختلف احباب بھی اس سعادت سے بہرہ ور ہوا کیے حتی کہ حضرتؒ نے وصال فرمایا اور یہ ناکارہ غلامی کے لیے چنا گیا پھر حاضری سالانہ ہو گئی۔ یعنی جس قدر وسعت تقسیم برکات میں آتی گئی اسی نسبت سے توفیق حاضری ارزاں ہوتی چلی گئی۔ غالباً پچھلے سے پچھلے سال کی حاضری پہ جملہ سلاسل تصوف کو حصول برکات کے لیے سلسلہ عالیہ سے جوڑ دیا گیا جو غالباً میں نے پہلے لکھا ہے تب سے حاضری بھی سال میں دو بار کر دی گئی اور اب یہ دعا ہے کہ اللہ کریم اس میں مزید ترقی عطا فرمائیں۔ اس سب کے باوجود دل اداس ہے یوں جیسے کٹ رہا ہو۔ پھوڑے کی طرح دکھ رہا ہے۔ جوں جوں نگاہ بیت اللہ پر نچھاور ہوتی ہے خوشی کی جگہ دکھ بڑھتا ہے کیوں؟ اس لیے کہ جب سے یہ گھر مسلمانوں کو نصیب ہوا ہے یعنی فتح مکہ سے لیکر آج تک اگرچہ مختلف حادثات ظہور پذیر ہوئے مگر کوئی بھی یہ سوچنے کی جرأت نہیں کر سکا کہ اسے مسلمانوں سے چھین لیا جائے یا خدانخواستہ تباہ کر دیا جائے۔ ہرگز نہیں کبھی نہیں۔ یاد رکھیں یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے کہ جو چیز خارج از امکان ہو اس کے لیے کوئی نہیں سوچتا اور جس کام کے لیے کچھ لوگ سوچنا شروع کر دیں خواہ وہ نہ بھی کر سکیں وہ کام ممکن ہوتا ہے۔ میرے سامنے بھی گذشتہ موسم حج کا وہ فساد عظیم ہے جس کے ذریعے سے یہود کے خرید کردہ غلاموں نے اس پر جابرانہ قبضہ کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ ماہ حج کی حرمت، جمعۃ المبارک کی حرمت اور اس شہر امن کی حرمت کو پامال کیا تھا۔ جب اس کی سڑکیں خون آلود تھیں اور محافظوں کے سینے چاک تھے۔ اللہ کی مدد سے وہ قبضہ تو نہ کر سکے لیکن آج پندرھویں صدی میں یہ امکان پیدا ہو گیا کہ ایسا بھی ممکن ہے۔ اگر ناممکن ہوتا تو کوئی بھی اس طرح سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ یہ امکان کیوں پیدا ہوا اس لیے کہ ہمارے ذاتی مفادات نے ہمیں اجتماعی مفادات سے غافل کر دیا اور مسلمان بحیثیت قوم چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم در تقسیم ہونا شروع ہو گئے۔ کیا ہم پھر سے عظمت اسلام کی خاطر تحفظ بیت اللہ کی خاطر اور بقائے دین کی خاطر یہ چھوٹے چھوٹے فروعی اختلافات نظر انداز کر کے ایک متحد طاقت نہیں بن سکتے؟ ہمیں ایک قوت بننا ہوگا اور ایک اللہ ایک رسول کے دروازے پہ اپنا سارا خلوص نچھاور کرنا ہوگا کہ اللہ ہمیں ہمیشہ اپنے گھر کی غلامی نصیب فرمائے اور یہ گوہر بے بہا ہمیشہ اپنی شان و شوکت کے ساتھ اللہ کی رحمتیں تقسیم کرتا رہے۔ سلسلہ عالیہ کے خدام کاشغر سے لے کر سان فرانسسکو تک انہیں کوششوں میں مصروف ہیں جہاں ملت اسلامیہ کے ایک ایک فرد کو جذبہ نو اور ولولہ تازہ دینے کی کوششیں بار آور ہو رہی ہیں وہاں غیر مسلم معاشرہ میں بھی اللہ کا نام روشن قندیل کی طرح سے چمکتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ چین، ہندوستان یورپ اور امریکہ

کے ساتھ اندرون ملک چترال اور وادیٔ خنجراب کے ساتھ سندھ کے دور افتادہ علاقوں میں ہندوؤں میں بھی تبلیغ دین کی خدمت ہو رہی ہے۔ اس شمارہ میں آپ ان حقیر کوششوں سے کسی قدر واقفیت حاصل کر سکیں گے جو چترال کی وادیٔ کافرستان میں دین پہنچانے کے سلسلہ میں ہو رہی ہیں۔ اللہ کریم تمام مسلمانوں کو مختلف گروہی اختلافات سے نجات بخشے اور پھر سے

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

فقیر محمد اکرم عفی عنہ

باتیں اُن کی خوشبو خوشبو

ارشادات حضرت مولانا اللہ یار خان رح

فرمایا: نصوص قرآن سے ذکر الٰہی کا مامور بہ ہونا ثابت ہے۔ بیسیوں آیتیں موجود ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم پایا جاتا ہے۔ اور یہ حکم کثرت کی قید سے ثابت ہے۔ البتہ کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے مطلق ہے۔ کمیت کے اعتبار سے مطلق ہونے سے مُراد یہ ہے کہ ذکر کی کوئی مقدار یا حد مقرر نہیں۔ یعنی اتنی مقدار میں ذکر کیا جائے یا اتنا وقت ذکر کیا جائے اور کیفیت کے اعتبار سے مطلق ہونے سے مراد یہ ہے کسی خاص حالت کی قید نہیں۔ یعنی انفرادی ہو اجتماعی ہو قیام ہو قعود ہو۔ پس جس نوعیت کا ہو اور جس کیفیت سے ہو۔ سب عمومِ نص میں داخل ہے۔ لہٰذا کسی خاص حالت یا نوعیت پر اصرار کرنا یا اعتراض کرنا کہ یہ طریقہ بدعت ہے۔ بے جا اعتراض ہے۔ ایسا اعتراض ذکر الٰہی سے مانع ہونے کے مترادف ہے۔ ایسے شخص کے لیے وعید موجود ہے۔

فرمایا: ذکر الٰہی کے مطلق ثابت ہونے کے بعد یہ اعتراض بھی بے جا ہو گا کہ ذکر سے مراد صرف فرض نماز، تلاوتِ قرآن، تسبیح و تہلیل اور نوافل ہی ہیں اور صوفیہ کا طریقۂ ذکر جو مروجہ ضربات وغیرہ سے کیا جاتا ہے اس سے خارج ہے۔ چونکہ ذکر مطلق ہے اس لیے تمام اذکار اور اذکار کی تمام صورتیں اسی کے افراد ہوں گے۔ نماز اور نوافل، تلاوتِ قرآن، استغفار، لا الٰہ الا اللہ، اللہ موجود یا صرف اللہ، یا درود شریف اسی مطلق ذکر کے افراد

ہوں گے۔

فرمایا: نصوص قرآن سے نہایت وضاحت سے ثابت ہے کہ فرائض اور نوافل کے علاوہ بھی ذکر کی کوئی صورت ہے۔ کما قال تعالیٰ

"پس جب نماز پوری ہو چکے تو تم زمین میں چلو پھرو، اور اللہ سے روزی تلاش کرو، اور اللہ کو بکثرت یاد کرو۔" (الجمعہ)

"یہ وہ لوگ ہیں جنہیں تجارت بیع و شریٰ اللہ کی یاد اور نماز سے غافل نہیں کرتی۔" (النور)

"پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو اللہ کی یاد میں لگ جاؤ، کھڑے بھی اور بیٹھے بھی اور لیٹے بھی، اور جب مطمئن ہو جاؤ تو نماز کو قاعدے کے موافق پڑھنے لگو، یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت مقررہ کے ساتھ محدود ہے۔" (النساء)

"مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے۔"
(حدیث نبویؐ)

بقیہ اتحاد بین المسلمین

اسے کم فہمی کی بنا پر مایہ النزاع بنا لیا گیا ہے ورنہ اس کی حقیقت یوں سمجھیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت مسلمانوں کے لیے ایک دلربا محبوب کی ہے۔ ہر چاہنے والا اپنی افتادِ طبع کے مطابق محبوب کی اداؤں پر مر مٹتا ہے۔ کسی کو کوئی ادا پسند ہے کسی کو دوسری۔ ہیں سب محبوب کی ادائیں۔ ہر ادا محبوب — فرق صرف اتنا ہے کوئی ادا محبوب تر ہے وہی اپنا رکھی ہے۔ مسلمانوں میں مقلد غیر مقلد اہلِ حدیث دیوبندی بریلوی میں جو اختلاف نظر آتا ہے وہ اسی قبیل کا ہے۔ اس لیے یہاں اتحاد بین المسلمین کا اطلاق بھی صحیح ہوتا ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اصولوں میں جب باہم متفق ہیں تو محبوب کی مختلف ادائیں اپناتے ہوئے بھی باہم اتحاد سے رہ سکتے ہیں — اور جس طرح ہر انسان کا پیدائشی حق ہے کہ متعدی امراض سے اپنے آپ کو بچائے۔ اسی طرح ہر مسلمان کا پیدائشی حق ہے کہ قرآن و سنت کا انکار کرنے والوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

اسرار التنزیل

(حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ العالی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ
لِّلْكٰفِرِيْنَ . . . . . .
. . لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ج

(سورہ کہف - ۱۰۱)

حشر کا نقشہ کھینچتے ہوئے قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے اُس دن ہم بالکل واضح بالکل صاف جہنّم کو کفّار کے سامنے کر دیں گے ۔ یہ بات کسی کے بتانے کی نہیں ہو گی بلکہ ہر شخص خود جہنّم کو دیکھ رہا ہو گا اور ایسا دیکھ رہا ہو گا یعنی ایسا دکھائیں گے جیسا دکھانا چاہیے اُس کو۔ ہر بار صورت کی سمجھ آتی جائے گی اور اس انجام بد کا بنیادی سبب کیا ہے کیوں یہ لوگ باوجود انسان ہوتے ہوئے باوجود انسانی اوصاف رکھتے ہوئے اور استعداد انسانی رکھتے ہوئے یہ کیوں اس قدر گر گئے جب کہ انہی کے ساتھ کے لوگ حضرت آدم علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد کے لوگ جنّت کو پا گئے اللہ کے انعامات کو پا گئے اللہ کے قرب کو پا گئے ۔ اللہ کی رضا کو پا گئے ویسی ہی استعداد ان لوگوں میں بھی تھی تو یہ نہ صرف جنت سے اللہ کے قرب سے، اللہ کی رضا سے محروم رہے بلکہ اس قدر دُور ہوئے کہ سخت عذاب کی گرفت میں چلے گئے اس کی بنیادی وجہ ارشاد ہوتی ہے ۔

اَلَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ
فِيْ غِطَآءٍ ۔　　　(سورہ کہف - ۱۰۱)

کہ میری یاد سے ان کی آنکھوں پہ پردہ پڑا ہوا ہے اُس طرف انھوں نے توجہ ہی نہیں کی ۔ بات

سمجھنے کی یہ ہے اللہ جل شانہٗ کی مخلوق دو طرح کی
ہے۔

مکلف مخلوق میں سے ایک قسم ہے ملائکہ
کی۔ ملائکہ ایسی مخلوق ہیں جن میں کمالات تو
ودیعت فرمائے گئے ہیں ـــــ جسم بھی ہے لیکن
اُن کا جسم مادی نہیں ہے اُن کی ضروریات مادی
نہیں ہیں تو جس قدر مصیبتیں مادی وجود کے ساتھ
ہیں اُن کے وجود کے ساتھ نہیں ہیں ـــ نہ
بھوک ہے نہ پیاس ہے نہ شہوت ہے، نہ
بیماری ہے نہ صحت ہے نہ گرمی ہے نہ سردی
ہے۔ یہ چیزیں اُن کے ہاں نہیں ہیں۔ وہ پیدا
ہی نور سے ہوئے ہیں وجود بھی نورانی ہے اور
اُن کی غذا اُن کی دوا اُن کی حیات اُن کا آرام
اُن کا اوڑھنا اُن کا بچھونا اُن کا گھر اور اُن کی
منزل سوائے ذکرِ الٰہی کے کچھ نہیں اور سوائے
اطاعتِ الٰہی کے اور وہ کچھ نہیں کرتے ـــ

وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ

وہی کرتے ہیں جس کا اللہ کی طرف سے حکم دیا گیا۔ نہ
اُن میں نفس ہے اور نہ نفس کی خواہشات نہ موانعاتِ
نفس ہیں۔ تو اس میں انہیں سب سے بڑا فائدہ
یہ ہے کہ وہ محفوظ و مامون ہیں۔ گناہ سے خدا کی
دوری سے۔ اللہ کی گرفت سے۔ لیکن یہ نرا فائدہ
ہی نہیں ہے۔ اس میں انہیں ایک نقصان بھی ہے
اور وہ اس فائدہ کی نسبت بڑا ہے۔ ہمیشہ
منافع کے ساتھ نقصان کا امکان ہوا کرتا ہے۔
اب اُن کا جو منافع ہے اُن کے ساتھ اُن کا
نقصان یہ ہے کہ وہ کروڑوں سال بھی ہمہ وقت
عبادت میں بسر کرنے کے بعد جس منزل پہ رب العالمین
نے پیدا فرما دیا ہے۔ اُس سے آگے ایک قدم نہیں
رکھ پاتے وما منا الا لہ مقام معلوم
ہر ایک کے لیے ایک مقام مقرر ہے ایک مقرر
درجہ و مرتبہ ہے۔ اور اُن کے وہ سارے مقام
جو ہیں وہ لقائے الٰہی اور تجلیاتِ ذاتی سے نیچے
نیچے ہیں نہ اُن میں وہ جرأت آسکتی ہے نہ وہ
اُس شئے کو پا سکتے ہیں۔ نہ وہ اُن میں استعداد
ہی ہے کہ تجلیٔ ذات کو وہ برداشت کر سکیں۔
اُس کے بعد دوسری قسم کی مخلوق مکلف جو
ہے وہ انسان اور جن ہیں ان دونوں میں نفس ہے
نفس کی خواہشات ہیں اور ان دونوں فریقوں میں
جن جو ہیں وہ انسانیت کے تابع اور اُس کے
پیچھے پیچھے ہیں گناہ کی استعداد جنات میں
بالکل انسانوں کی طرح ہے لیکن نیکی کی استعداد
اُن میں انسانوں جیسی نہیں۔ معرفت باری کی
استعداد اُن میں انسانوں جیسی نہیں ہے۔

اور یہاں آ کر وہ بھی رُک جاتے ہیں کہ تجلیاتِ ذاتی کو برداشت کرنے کی قوت جنات میں بھی نہیں ہے۔

یہ صرف شرفِ انسانیت ہے۔ اگر جنات میں یہ قوت ہوتی تو جنات میں سے بھی نبی مبعوث ہوتے۔ چونکہ اس قوت کا مدار یا مہبط یا اس کی بنیاد جو ہے وہ نبوت ہے اور نبوت صرف انسانوں کو عطا فرمائی گئی جن اُن کے تابع ہیں۔ اس معاملہ میں اگر جنوں میں ذاتی طور پر یہ استعداد ہوتی تو اُنہیں بھی نبوت سے سرفراز فرمایا جاتا ۔۔۔ تو جنات کا نبی نہ ہونا اس بات کی دلیل بن جاتا ہے کہ مقاماتِ قرب میں، منازلِ معرفت میں اور تجلیاتِ ذاتی کی برداشت میں اُن میں وہ سکت نہیں ہے جو انسان میں ہے۔

لیکن جہاں تک گناہ کا تعلق ہے، اس میں وہ انسانوں سے بڑھ جاتے ہیں چونکہ اُن کا نفس بھی ہے نفسانی خواہشات بھی ہیں اور پھر انسانوں کی نسبت گناہ کرنے کے مواقع انہیں زیادہ حاصل ہیں۔ جسم لطیف ہے اُن کا غیر مرئی مخلوق ہیں۔ تو جو جی چاہے کرتے رہتے ہیں۔ اب لے دے کے ایک مخلوق رہ گئی ہے، انسان یہ اگر گناہ کرنا چاہیں تو ان میں سب سے کم تر اور سب سے رذیل تر نفس اس میں موجود ہے یعنی جنات بھی پھر آگ سے تخلیق ہوئے کسی حد تک اُن میں ستھرا پن ہے۔

لیکن نفسِ انسانی کی تخلیق مٹی گارے اور بدبودار کیچڑ میں سے ہے اور یہ سراپا تعفن ہے اور جب یہ بُرائی سوچتا ہے تو یہ بسا اوقات جنات اور شیطان سے بھی آگے نکل جاتا ہے چونکہ اس کا نفس تمام مخلوق میں سے ذلیل ترین چیز جو ہے اذل ترین چیز جو ہے اُس میں سے ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ۔ سب سے نیچے جو درجہ ہے وہ ہے خاک کا اور مٹی میں سے بھی اُس مٹی کا جو گارا بن گئی ہو اور گارا بن کر بھی سڑ چکی ہو۔

آپ نے دیکھا ہو گا ایک سیاہ رنگ کا کیچڑ بن جاتا ہے جس کی بدبو قریب نہیں پھٹکنے دیتی ۔۔۔ انسانی مزاج جو ہے جب یہ گناہ آلود ہوتا ہے گر جاتا ہے تو پھر اپنی اُس سطح پر جا کر ٹھہرتا ہے جس طرح سیاہ رنگ کا وہ کیچڑ ہوتا ہے لیکن اس میں ایک بات رکھی گئی ہے کہ اسے استعداد دی گئی ہے تجلیاتِ باری کی برداشت کی بھی اور معرفت کی بھی ۔۔۔ اور جب معرفت اور برداشت کی استعداد دی گئی ہے،

تو اس میں یہ طلب بھی پیدا کی گئی ہے کہ یہ طالب ہی ذاتِ باری کا جا کر بنتا ہے۔

تو یہ عجیب ترین تخلیق ہے۔ اب اگر اپنی اِس استعداد کی طرف یہ مائل ہوتا ہے تو پھر یہ رذائل کو ایک ایک کر کے پھینکتا جھٹکتا چلا جاتا ہے۔ اور اُوپر ہی اُوپر اُٹھتا چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کی نگاہ وہاں جا کر ٹھہرتی ہے جہاں فرشتہ بھی دَم نہیں مار سکتا اور خدانخواستہ اگر یہ نیچے گرتا چلا جاتا ہے تو پھر یہ اتنی گہرائی میں جاتا ہے کہ اِسے خود خدا بھی یاد نہیں آتا تو وہی بات یہاں ارشاد ہوتی ہے کہ ہم نے وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكَافِرِينَ (سورہ کہف ۔ ۱۰۰)

— ہم نے دوزخ اس طرح پیش کی کافروں پر جس طرح پیش کرنے کا حق ہے۔ جس طرح پیش کرنی چاہیے۔ یعنی اُس کا تمام چھوٹا بڑا تمام طرح کے عذاب تمام تکالیف، تمام ہیبت ناکیاں تمام خوف اور اُس کی تمام سزائیں اُن پر کھُل کر سامنے آجائیں گی اور اُن کے سامنے آگئی سب چیز کیوں کہ کانت اعینہم ...... ذکری

ذلت کی اُن تمام گہرائیوں میں ڈوب گئے کہ میری یاد پر بھی اُن کی نگاہ نہ پڑی۔ میرا نام بھی ان کی نگاہوں سے اوجھل ہُوا۔ یہ اتنی گہرائیوں میں چلے گئے۔ اتنی غلاظت میں ڈوب گئے کہ ان کی نگاہ میری عظمت کی طرف بھی نہ اُٹھ سکی۔

تو گویا انسانی کمال یہ ہے کہ جب اسے استعداد دی گئی ہے تو اس نفس کو رکھتے ہوئے اوصاف ملکوتی کو حاصل کرے۔ اگر اس نفس کے ساتھ یہ اوصاف فرشتوں والے ملکوتی اوصاف پیدا کرتا ہے تو چونکہ فرشتہ سراپا نیکی بغیر نفس کے ہے بغیر رکاوٹ کے ہے اور یہ اُن رکاوٹوں کو عبور کر کے جب ملکوت کی طرف بڑھتا ہے اوصاف ملکوتی حاصل کرتا ہے تو پھر اُسے وہ قرب نصیب ہوتا ہے جو صرف اُس کے حصّے میں ہے۔

یعنی کمال انسانی یہ ہے کہ اوصاف ملکوتی حاصل کرے۔ مثلاً فرشتہ سوتا نہیں ہے تو اس کے سونے کے اوقات جاگنے کی نسبت کم ہوں۔ سوئے کم بیدار زیادہ ہو۔ فرشتہ اللہ کی یاد سے کبھی غافل نہیں ہوتا یہ اللہ کی یاد سے کبھی غافل نہ ہو۔ فرشتہ کھاتا پیتا بالکل نہیں ہے یہ بھی زندہ رہنے کے لیے کھائے، کھانے کے لیے زندہ نہ رہے۔ یعنی یہ بھی قوتٍ لایموت کے لیے کھائے۔ حلال کھائے طیب کھائے اور حلال اور طیب بھی اس طرح نہ کھائے کہ مشکیزے کی طرح حلق تک بھر دیا پھر خراٹے لیے اور یہ احسان ہے بلکہ اتنا

کھائے جتنا یہ برداشت کر سکے۔ اور جس کے ساتھ اس کی صحت قائم رہے قوت رہے۔ وجود میں عبادت کی دفاع کی جہاد کی اور حیوانوں کی طرح نہ کھائے کہ وہ بیٹھے جگالی کر رہے ہوتے ہیں۔ کھانے پہ آتے ہیں تو کھاتے ہی چلے جاتے ہیں کھاتے ہی چلے جاتے ہیں۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا مناظرہ تھا پنڈت دیانند سرسوتی سے۔ ہندو سچائی کی دیوی کو کہتے ہیں سرسوتی۔ تو دیانند جو تھا اس کے متعلق ہندوؤں کا خیال یہ تھا کہ سرسوتی دیوی اس کی زبان سے بولتی ہے اور وہ ہندوؤں کا بہت بڑا پرچارک تھا۔ اور وہی آدمی تھا جس نے شدھی کی تحریک شروع کی تھی۔ ہندوستان میں یعنی مسلمانوں کو ہندو بنانے کی اور بہت بڑا حکیم بھی تھا اور اس کے لیے سرگرداں رہتا تھا۔

آپ نے دیہات میں دیکھا ہوگا ابھی تک رواج موجود ہے۔ جب ہم لڑکے تھے تب تو بہت زیادہ تھا۔ اب تقسیم ملک کے بعد کچھ کمی آگئی کہ جو بھی گھوڑے پہ سوار جا رہا ہو گاؤں کی عورتیں کہتی ہیں بیمار کے لیے اگر کوئی سوار گزرے تو اس سے دوائی پوچھنا۔

یہ دراصل اس پنڈت دیانند سرسوتی کی یاد ہے۔ بہت بڑا طبیب بھی تھا اور پھرتا رہتا تھا۔ اس نے اپنے ہندو ازم کی تبلیغ میں تو اگر راستے میں گزرتے گاؤں سے گزرتے کوئی کہتا کہ میرا فلاں مریض ہے تو کھڑے کھڑے حال پوچھ لیتا تھا کہ کیا مرض ہے کیا تکلیف ہے۔ اور گھوڑے پہ بیٹھا بیٹھا نسخہ تجویز کر دیتا تو وہ رواج چلا آ رہا ہے کہ کوئی سوار گزرے تو دوائی پوچھ لو۔

بہت فاضل تھا اپنے مذہب کا بھی اور مطالعہ رکھتا تھا اسلامی کتب کا بھی۔ اس پائے کا مناظر تھا کہ اس کے مناظرے کے لیے مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو میدان میں آنا پڑا۔ حالانکہ مولانا نوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ایسی تھی کہ بڑے بڑے فضلاء اُن کے شاگرد ہوا کرتے تھے۔

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ان کا لباس بھی بڑا سادہ اور بود و باش بھی بڑی سادہ ہوتی تھی۔ پہلی نگاہ میں جو دیکھتا وہ مولوی ماننے کو بھی تیار نہیں ہوتا تھا لیکن جب آپ بیان کرنے پہ بیٹھتے باتیں کوئی سنتا تو سمجھ آتی کہ یہ تو ایک سمندر ہے۔ تو بڑے بڑے فضلاء اُن کے شاگرد ہوا کرتے تھے۔ تو انہوں نے اپنے ساتھ جو اُن کے علماء تھے اُن سے کہا کہ جاؤ اور ذرا لط

مناظرہ اُس کے ساتھ طے کر کے آؤ۔ اُنہیں شرائط آپ نے سمجھا دیں کہ یہ شرط ہوگی یہ شرط ہوگی اُس کے ساتھ بات طے کر کے دستخط لے لینا ـــــ تو وہ حضرات اُس کے پاس بیٹھے تھے کہ اُس کا کھانا آگیا۔ جن لوگوں نے ہندوؤں کا زمانہ دیکھا ہے، وہ جانتے ہیں کہ ہر فرد اپنا کھانا علیحدہ کھاتا تھا۔ ہر فرد گھر کے دس فرد ہیں تو دس برتنوں میں روٹی سالن جو کچھ ہے علیحدہ علیحدہ ہوتا اور ہر شخص کھانا کھانا لے کر کوئی یہاں بیٹھا ہے اور کوئی وہاں بیٹھا ہے۔ اِس طرح وہ کھایا کرتے تھے تو ایک بڑا سا تھال انہوں نے سامنے رکھا جس میں طرح طرح کے کھانے تھے مٹھائیاں تھیں اچار تھے ہر طرح کی چیزیں تھیں اور اُن علماء کے مطابق اگر زیادہ کھانے والے لوگ بھی ہوتے تو کم از کم دس آدمیوں کا کھانا تھا۔ اُن کا ذہن چونکہ اپنا تھا تو وہ سمجھتے تھے کہ شاید اس کے ساتھ جتنے ہیں چیلے چانٹے سب مل کر کھائیں گے ـــ وہ شرائطِ مناظرہ بھی طے کرتا رہا اور وہ کھانا بھی اُس نے شروع کر دیا۔ اور باتیں کرتے کرتے وہ پورا ہڑپ کر گیا۔ تو وہ حضرات جب واپس آئے تو انہوں نے شرائط مناظرہ حضرت کو عرض کیں۔ دوسرے کمرے میں وہ علماء ٹھہرے ہوئے تھے۔ ساتھ والے

کمرے میں مولانا نانوتوی تھے۔ جب اپنے کمرے میں جا کر بیٹھے تو انہوں نے آپس میں بات کی تو انہوں نے کہا کہ جی بات ہوئی اگر علم پر تو پھر تو ہوگی بات لیکن اگر مقابلہ آگیا کھانے پر تو ہمارے حضرت ہار جائیں گے۔ یہ تو کھاتے ہیں اتنا کہ ایک بچہ بھی اُس سے دن بھر گزارہ نہیں کر سکتا۔ تھوڑا سا کھاتے ہیں اُس سے دن بسر ہو جاتا ہے وہ شخص تو دس بارہ آدمیوں کا کھانا کھا گیا۔

مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات سُن لی انہوں نے درمیان سے دروازہ کھول دیا اور درمیان میں آکر کھڑے ہوگئے۔ فرمانے لگے کیا کہا آپ لوگوں نے ـــ خاموش ہوگئے۔ فرمایا جو بات کی تم نے میں سُن رہا ہوں۔ کسی نے کہا کہ کھانے کا مقابلہ ہوگا۔ حضرت فرمانے لگے دیکھو تم علماء ہو مقابلہ ہمیشہ محاسن میں ہُوا کرتا ہے بُرائیوں میں نہیں ہوتا۔ مقابلہ ہمیشہ کمالاتِ علیا میں ہوتا ہے اور سب سے اعلیٰ کمال انسان کے لیے ہیں اوصافِ ملکوتی کو حاصل کرنا۔ عالم ہوتے ہوئے تمہیں یہ سوچنا چاہیئے تھا کہ اگر کم کھانے میں مقابلہ ہو گیا تو یہ موذی تو ایک دن میں مر جائے گا۔ اور اگر زیادہ کھانے کا مقابلہ ہُوا تو یہ تو اوصافِ حیوانی میں سے

ہے۔ مجھے جاننے کی کیا ضرورت ہے میں ایک بیل
یا سانڈ بھیج دوں گا اُس کے مقابلے میں۔ یہ کام تو
ایک جانور کر سکتا ہے۔ اِس کے لیے کسی کمال کی
ضرورت نہیں ہے۔ کسی صاحبِ کمال کو جاننے
کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر زیادہ کھانے کا مقابلہ
ہُوا تو ہم ایک سانڈ بھیج دیں گے۔ ایک بیل بھیج
دیں گے وہ اُس کے مقابلے میں زیادہ کھا جائے گا۔

یعنی کمالِ انسانی یہ ہے کہ اوصافِ ملکوتی
حاصل کرے اور حیوانیت سے بالاتر ہوتا چلا
جائے۔ وجود کو اور اُس کی ضروریات کو رکھتے
ہوئے ۔۔۔ وجود اور اُس کی ضروریات کو پورا
کرتے ہوئے یعنی جانوروں کی طرح بدن کی ضروریات
پوری نہ کرے بلکہ ضروریاتِ بدنی بھی اس طرح
پوری کرے کہ وہ بھی اُس کی ترقی کا سبب بن جائیں
اِن کو چھوڑ نہ دے۔ ان کو چھوڑ دینے سے ترقی
نصیب نہ ہوگی۔ اگر مطلقاً نفس کی نفی ہو جائے
تو فرشتہ ہو جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ اگر
انسان وجود سے مطلقاً آپ نفس کو نکال دیں تو فرشتہ
بن جائے گا۔۔۔ تو فرشتے کے لیے بھی تو ترقی نہیں
ہے انسان انسان ہی رہے گا تو وہ منازل حاصل
کرے گا اور اُس انسانیت میں اسے وہ کمال
حاصل ہو کہ نفس اور اُس کی خواہشات مجبور نہ کر سکیں

بلکہ بدن کی ضروریات کی تکمیل بھی اللہ کے قرب کا
سبب بنیں: چل جائیں۔ کھائے پیئے بھی اولاد بھی
ہو نکاح بھی کرے۔ بیوی بھی ہو گھر بھی ہو مکان
بھی ہو لباس بھی ہو دوست دشمن بھی ہوں سب
میں ایک حد ملکوتی قائم ہو۔ سب کے ساتھ اُس
طرح کا معاملہ کرے جس طرح فرشتہ تعمیلِ
ارشادِ باری کرتا ہے۔ تب تو مقامِ انسانیت پہ
فائز ہوگا۔ اور ترقی نصیب ہوگی اور اگر نفس کے
پیچھے چل پڑا تو اس کا نفس جنوں کے نفس سے
بھی ذلیل تر کر دے گا اس سے اور اتنا دُور لے
جائے گا اَلَّذِیْنَ کَانَتْ فِیْ غِطَاءٍ عَنْ
ذِکْرِیْ ... سَمْعًا۔ فرمایا میری عظمت
کو بھی نہیں دیکھ سکتا۔ اتنی گہرائی میں چلے گئے
کہ میری یاد میرے نام پر بھی ان کی نگاہ نہ پڑی
اور نہ میری آیات کو سُن سکے۔ اور نہ میرے انبیاء
کی بات کو سُن سکے ان کا اوڑھنا بچھونا سونا جاگنا
دال روٹی پیسہ دولت اقتدار وقار اسی میں ساری
عمر بھٹکتے بھٹکتے مر گئے اور پھر اس کی دوسری مصیبت
یہ ہوتی ہے کہ آدمی خدا سے ٹوٹتا ہے تو پھر وہ
کئی خدا بناتا ہے یہ تو مزاج انسانی ہے انسان
سمجھتا ہے میں محتاج ہوں۔

ہر شخص میں بنیادی طور پر یہ بات اُس

کے لاشعور میں بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں محتاج ہوں مجھے کوئی آسرا چاہیئے۔ غریب امیر کا آسرا لیتا ہے تو امیر غریبوں کا آسرا لیتے ہیں یہ بڑی عجیب بات ہے غریب یہ سمجھتا ہے کہ کسی ملک کا کسی چوہدری کا کسی خان کا آسرا ہونا چاہیئے اور خان اور چوہدری یہ سمجھتے ہیں کہ کچھ غربا ہمارے ساتھ ہونے چاہئیں ورنہ ہماری آبرو نہیں رہے گی۔ اسی طرح محکوم حاکم کی رضا مندی چاہتا ہے اور حکومت محکوموں کو خوش کرنے کے لیے حیلے تراشتی رہتی ہے — یعنی انسانی لاشعور میں یہ بات موجود ہے خواہ وہ بادشاہ ہے یا گدا ہے کہ میں محتاج ہوں اور جب ذاتِ باری سے اُس کا تعلق ٹوٹتا ہے تو پھر بڑے تماشے کرتا ہے کہیں میں بڑا نظر آیا مجھ پر اُمید رکھ لی کہیں دوسرا مجھ سے زیادہ قد آور نظر آگیا علم میں عمل میں دولت میں کسی اور وصف میں تو اُس کی طرف لپکے پھر اُس سے اور کوئی بڑا نظر آگیا پھر اُس کی طرف لپکے — غرض اس طرح بھٹکتا رہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ مجھے کام آجائے گا مجھے یہ کام آجائے گا۔ یہ کام کر دے گا میرا۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کفر کی مصیبت یہ ہے کہ انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے مجھے چھوڑ کر میری مخلوق میں یہ آسرے تلاش کرلیں گے اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْۤ اَوْلِیَآءَ ۔ انہوں نے میرے بندوں کو میری مخلوق کو میری تخلیق کو، میری صنعت کو چھوڑ کر آسرا اور بھروسے کی شے بنا لیا ہے اور یہ جرم اتنا ہے اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِیْنَ نُزُلًا ۝ کہ اس جرم کی سزا میں اُن کی مہمانی دوزخ میں کرادی گئی ہے۔

یہ بڑا عجیب انداز اختیار فرماتا ہے اللہ کا قرآن — میرے حبیب لوگوں سے کہہ دیجیے — قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ؕ (سورہ کہف ـ ۱۰۳) بھائی خسارے اور نقصان سے تو ہر ایک جان چھڑاتا ہے تو سب سے زیادہ نقصان میں جانے والے لوگ اُن کے اعمال جو ہیں جن کی محنت ان کو خسارے میں لے جائے گی۔ اس کے بارے تمہیں اطلاع کر دوں؟

دیکھیں دنیا میں خسارہ ہوتا ہے سستی سے نالائقی سے کام نہ کرنے سے لیکن کوئی ایسی تجارت ہو جس میں کام کرنے سے خسارہ بڑھتا چلا جائے۔ تو وہ بہت ہی خطرناک ہوگی۔

تو فرمایا — میرے حبیب لوگوں سے کہہ دو کہ میں تمہیں ایسی تجارت، ایسا کاروبار،

ایسے روزگار سے مطلع کر دوں کہ جس کے اختیار کرنے والا بھی منافع کی سوچ ہی نہیں سکتا جتنی زیادہ محنت کرتا چلا جاتا ہے اتنا زیادہ خسارہ اور نقصان بڑھتا چلا جاتا ہے۔ وہ لوگ جن کی محنت جن کے مجاہدے جن کی عبادتیں جن کی ریاضتیں، جن کے کاروبار اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا (سورہ کہف ۱۰۴) جن کے تمام مجاہدے تمام محنتیں رائگاں جا رہی ہیں اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم کوئی بڑا کام کر رہے ہیں کوئی سیاسیات میں پڑا ہوا ہے اور سمجھ رہا ہے کہ میں کوئی بڑا تیر چلا رہا ہوں نہ خدا یاد ہے نہ دین یاد ہے نہ حلال حرام کی قید ہے نہ جائز ناجائز کی فرصت ـــــ رات دن موٹریں بھاگ رہی ہیں کوئی کاروبار میں پڑا ہے۔ حلال حرام کی تمیز نہیں ملاوٹ کر رہا ہے بلیک میلنگ کر رہا ہے۔ دھوکہ دہی کر رہا ہے۔ حرام جمع کر رہا ہے اور پھر سمجھتا ہے کہ بڑا کام کر رہا ہوں۔

اور کوئی عبادت میں لگا ہے، چلّہ کشیاں ہو رہی ہیں۔ ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر ساری رات بسر کر دی۔ حلال حرام پاک ناپاک جائز ناجائز کوئی تمیز نہیں سنت بدعت کا کوئی احساس نہیں۔ رطب و یابس جو منہ میں آیا دبائے جا رہے ہیں۔ سب کا ماحاصل اپنے نفس کی تسکین، دولت کا حصول شہرت کا حصول بن رہا ہے تو فرمایا یہ سارے کے سارے نقصان میں جا رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ ہم نے بڑا تیر مارا اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ (سورہ کہف۔ ۱۰۵) ایسے ہی لوگ ہیں جو انکار کیے بیٹھے ہیں خدا کے احکام کا اللہ نے حکم دیا ہے اور یہ اس طرح سے زندگی بسر کرتے ہیں فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ اور انہیں یہ احساس اور شعور نہیں ہے کہ صرف پیدا ہو کر اس کی نعمتیں ہی نہیں کھا رہے مگر اس کے سامنے کھڑا بھی ہونا ہے۔ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ اگر اتفاقاً ایسی حالت ہوئی۔ ان سے کوئی نیک عمل بھی سرزد ہو جائے وہ ضبط ہو جائے گا۔ اس پہ اجر مرتب نہیں ہوگا۔ فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا ہ (سورہ کہف۔ ۱۰۵) آخرت میں اس کے کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی۔ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا ۔ (سورہ کہف۔ ۱۰۶) اس لیے اُن کی جگہ جہنم ہے کہ انہوں نے میرے احکام کو اور میرے رسولوں کو مذاق کیا ہے۔

یعنی بدعت پر عمل کرنا اور نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کا قرب تلاش کرنا خلافِ شریعت کام کرنا اور دعوٰی قربِ الٰہی کا کرنا اور اچھائی کا۔ اللہ فرماتے ہیں یہ مذاق کرتے ہیں میرے ساتھ۔ میرے پیامبر صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کے ساتھ ایک تو ہے خلافِ سنّت آدمی کام کرے اور کم از کم اُس کو ندامت تو ہو۔ یہ سمجھ رہا ہو کہ حق سُنّت ہے مَیں غلطی پر ہوں لیکن اگر اُس غلطی کو وہ مستحسن سمجھے یہ تو مذاق ہے نا اور کافر تو کفر کو مستحسن سمجھ بیٹھا ہے اس سے بڑا سخت مذاق بھی کوئی ہے کہ کفر پر قائم ہیں اور اللہ کی رضا کا طالب بنا ہُوا ہے احسان دھر رہا ہے خدا پر۔ اِن کے مقابلے میں جن لوگوں کو ایمان نصیب ہُوا

اور ان کے اعمال نے اُنہیں عملِ صالح کی توفیق دی یعنی ایسا ایمان جو زندہ ہو — جو نیکی پر مجبور کرے اور بُرائی سے روک دے۔ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝ (سورہ کہف - ۱۰۷) اُن کے لیے فردوس مہمانی کی جگہ ہے جہاں ہمیشہ رہیں گے اور ایسے خوش رہیں گے لَا يَبْغُوْنَ ...... کبھی شکم سیر نہیں ہوں گے — کبھی یہ نہیں کہیں گے کہ آج یہاں سے جی بھر گیا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

●●

بگاڑ : عالم بگڑے تو اس میں یہودیوں کی صفات پیدا ہوتی ہیں یعنی کتاب بلا رسول کا نظریہ — اور صوفی بگڑے تو اس میں عیسائیوں کی صفات پیدا ہوتی ہیں یعنی رسول بلا کتاب —

(امام ابنِ تیمیہؒ)

" زہد ترکِ لذات کا نام نہیں بلکہ تقلیلِ لذات کافی ہے یعنی لذات میں انہماک نہ ہو کہ رات دن اسی فکر میں رہے — یہ چیز زہد کے منافی ہے۔ ورنہ بلا تکلف اور بلا اہتمام خاص کے لذات میسّر آئیں تو یہ حق تعالیٰ کی نعمت ہے۔ شکر کرنا چاہیئے۔

(مولانا تھانویؒ)"

رسول کا مقام ۴
از روئے قرآن

(عبدالغفور — صقارہ اکیڈمی)

ہمارے خیال میں حدیث وسنّت کے منکرین کی اصل غلطی یہ ہے کہ انہوں نے رسولؐ کے صحیح مقام اور اصل حیثیت کو سمجھا نہیں۔ اگر وہ مقامِ نبوّت کو سمجھنے اور نبی ورسول کی معرفت حاصل کرنے کے لیے صرف قرآن ہی میں تدبر کریں تو انہیں معلوم ہوجائے گا کہ اللہ کے رسول کی حیثیت صرف ایک پیغامبر اور پیام رساں کی نہیں ہے بلکہ آپ مطاع، امام، ہادی، قاضی، حاکم اور حکم وغیرہ بھی ہیں اور قرآن ہی نے آپؐ کی ان حیثیتوں کو بیان کیا ہے

۱۔ رسول مطاع ہے اور اس کی اطاعت اہلِ ایمان پر فرض ہے۔

قرآنِ پاک میں جابجا اہلِ ایمان کو مخاطب کرکے فرمایا گیا ہے:

”اللہ کی اطاعت کرو اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو۔“

اس حکم میں ”اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ“ کو ”اَطِیْعُو اللّٰہَ“ سے الگ مستقل جملہ کی شکل میں قرآن مجید میں جس طرح مختلف مقامات پر ذکر کیا گیا ہے، اس سے ہر وہ شخص جس کو عربی زبان کا کچھ بھی ذوق ہو یہی سمجھے گا کہ اللہ کی اطاعت کی طرح اہلِ ایمان پر رسول کی اطاعت بھی مستقلاً فرض ہے۔

یعنی اس کا مطلب صرف یہ نہیں کہ اللہ کی طرف سے جو کتاب رسول لائے ہیں اس کو مانا جائے۔ اور اس کے حکموں پر چلا جائے۔ کیونکہ صرف اتنی ہی بات کہنی ہوتی تو یہ تو "اطیعوا اللّٰہ" میں بھی کہی جا چکی تھی۔ پھر امر اطاعت کے مستقل اعادہ کے ساتھ "اطیعوا الرّسول" کے اضافہ کی کیا ضرورت تھی۔ علاوہ ازیں قرآن مجید کی بعض دوسری آیات سے بھی بات اور زیادہ صاف اور واضح ہو جاتی ہے۔ "سورہ نساء" کے پانچویں رکوع کے آخر میں اللہ و رسول کی اطاعت کا حکم دینے کے بعد ان منافقین کی مذمت بھی کی ہے جو اپنی غرض پرستی اور منافقت کی وجہ سے اللہ و رسول کی اطاعت میں کوتاہی کرتے تھے۔ اسی سلسلہ بیان میں ان کے متعلق فرمایا گیا ہے۔

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ
اس کتاب کی طرف جو جس کو اللہ نے
نازل کیا ہے اور رسول کی طرف لے
رسول تو دیکھے گا اُن منافقوں کو کہ
اعراض اور روگردانی کرتے ہیں تیری
طرف سے۔"

اسی آیت میں "مَا اَنزَلَ اللّٰہ" (یعنی کتاب اللہ) کی طرف بلانے کے ساتھ "رسول" کی طرف جس طرح بلانے کا ذکر کیا گیا ہے وہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ اوپر کی آیتوں میں اطاعتِ رسول کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف اللہ کی طرف سے اس پر نازل ہونے والی کتاب کی اطاعت کرو بلکہ رسول کی اطاعت ایک الگ اور مستقل چیز ہے۔

اور اسی سورہ کے اسی رکوع میں دو ہی آیتوں کے بعد اللہ کی طرف سے آنے والے ہر رسول کے متعلق فرمایا گیا ہے:

"اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول
مگر اس واسطے کہ اس کے حکم پر
چلا جائے اللہ کے فرمان سے۔"

(نساء: ع ۶)

۲۔ رسول من جانب اللہ ہادی اور امام ہوتے ہیں۔

ارشاد ہے:

"اور ہم نے بنایا اُن کو امام و پیشوا
وہ ہدایت و رہنمائی کرتے تھے،
ہمارے حکم سے۔"

(انبیاء: ع ۵-۲)

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منجانب اللہ

حاکم اور حکم بھی قرار دیئے گئے تھے۔ اور ہر اختلاف و نزاع میں آپؐ کو حکم بنانا اور آپؐ کا فیصلہ دل و جان سے ماننا ہر اہلِ ایمان پر فرض بلکہ شرطِ ایمان قرار دیا گیا تھا ——

"اے پیغمبرؐ قسم تیرے پروردگار کی یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک حکم بنائیں تجھے اپنے نزاعی معاملات میں پھر (جب تو اپنا فیصلہ دے تو) کوئی تنگی اور ناگواری نہ پائیں اپنے دلوں میں تیرے فیصلہ سے اور تسلیم کر لیں اس کو پوری طرح مان کر۔"

(النساء - ع - ۹)

اسی طرح سورۂ احزاب کی آیت:

"اور کسی ایمان والے مرد اور ایمان والی عورت کی یہ شان نہیں ہے کہ جب حکم دے دے اللہ اور اُس کا رسول کسی بات کا تو رہے ان کا کچھ اختیار اپنے معاملہ میں۔"

(احزاب - ع - ۵)

اور سورۂ نور کی آیت:

"ایمان والوں کو جب بلایا جائے اللہ کی طرف اور اُس کے رسول کی طرف تاکہ وہ اپنا فیصلہ دے دیں اُن کے درمیان تو اُس کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ وہ کہیں "وَاَطَعْنَا وَسَمِعْنَا" (یعنی ہم نے سُن لیا اور مان لیا)

(نور - ع - ۷)

الغرض یہ سب آیتیں اسی باب میں نص صریح ہیں کہ مسلمانوں کے جس معاملہ میں رسول جو فیصلہ کریں وہ واجب التسلیم ہے اور کسی مسلمان کو اس میں چون و چرا کی گنجائش نہیں ہے۔

۴۔ کسی شخص کی کامیابی اور فلاح کے لیے جس طرح اللہ کی اطاعت ضروری ہے اسی طرح رسولؐ کی اطاعت بھی ضروری ہے اور جس طرح اللہ کی نافرمانی گمراہی اور بدبختی ہے اسی طرح رسولؐ کی نافرمانی بھی موجبِ ضلالت اور شقاوت ہے:

"جس نے اطاعت کی اللہ کی اور اس کے رسول کی اُس نے بڑی مُراد پائی۔" (احزاب - ع - ۸)

"اور جس نے نافرمانی کی اللہ کی اور اس کے رسول کی وہ بڑی کھلی

گمراہی میں جا پڑا۔"

(احزاب - ع - ۵)

نیز قرآن ہی میں بتایا گیا ہے کہ کفار دوزخ میں ڈالے جانے کے بعد جس طرح خدا کی نافرمانی کرنے پر کفِ افسوس ملیں گے اور اپنا ماتم کریں گے اسی طرح رسول کی نافرمانی پر بھی افسوس کریں گے۔

"جس دن اوندھے ڈالے جائیں گے
ان کے منہ آگ میں کہیں گے کاش ہم
نے کہا مانا ہوتا اللہ کا اور کہا مانا ہوتا
رسول کا۔" (احزاب ع - ۸)

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے :-

"اس دن آرزو کریں گے وہ لوگ
جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور
رسول کی نافرمانی کی کہ برابر کر دیئے
جائیں گے زمین کے (یعنی خاک ہو کر
زمین کا جزو بن جائیں گے اور عذاب
سے بچ نکلیں گے۔")

(النساء - ع - ٦)

نیز مسلمانوں کو نصیحت کی گئی ہے کہ رسول کی نافرمانی کی کوئی بات بھی آپس میں مت کریں۔

"اے ایمان والو جب تم چپکے
چپکے آپس میں باتیں کرو تو گناہ
اور ظلم و زیادتی کی، اور رسول کی
نافرمانی کی کوئی بات آپس میں نہ
کرو۔" (مجادلہ - ع - ۲)

۵- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دیں اُسے قبول کرنا اور جس چیز سے روکیں اس سے رُک جانا واجب ہے۔

"جو تم کو رسول دیں اس کو لے
اور جس سے منع کریں اُس سے
رُک جاؤ۔" (حشر - ع - ۱)

اگر اس آیت کا تعلق صرف اموال سے بھی مانا جائے تب بھی ہماری مدعا کے لیے مضر نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں تو اتنی بات آیت سے بھی ثابت ہو گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صوابدید سے جو تقسیم کریں وہ اہلِ ایمان کے لیے واجب التسلیم ہے اور کسی کو اس میں چون و چرا کی گنجائش نہیں ہے۔

٦- ایک مومن کا اپنی جان پر جتنا حق ہے اس سے زیادہ حق اس کی جان پر نبی کا ہے۔

"نبی زیادہ حق دار ہے مومنوں کا
ان کی جانوں سے۔" (احزاب - ع - ۱)

حضرت شاہ عبدالقادر نے اس آیت پر

جو دو سطریں لکھی ہیں ان کے نقل کرنے کو بے اختیار جی چاہتا ہے۔

"نبی نائب ہے اللہ کا، اپنی جان و مال میں اللہ کا تصرف نہیں چاہتا جتنا نبی کا، اپنی جان دہکتی آگ میں ڈالنی روا نہیں، اور نبی حکم کرے تو فرض ہے۔"

۷۔ اللہ کے ساتھ اس کے رسولؐ کو بھی راضی کرنا ضروری اور شرطِ ایمان ہے۔

"اور اللہ اور اس کے رسول کو راضی رکھنا ان کے لیے بہت ضروری ہے جو گروہ ایمان رکھتے ہیں۔"

(توبہ۔ع۔۸)

۸۔ اللہ کی طرح اس کے رسول کو بھی دنیا کی ساری چیزوں سے زیادہ محبوب رکھنا ضروری ہے۔ جو ایسا نہ کریں وہ فاسقین اور اللہ کی ہدایت سے محروم رہنے والے ہیں۔

"اے پیغمبرؐ کہو (مسلمانوں کو) اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہاری برادری اور تمہارا کمایا ہوا مال اور تمہاری تجارت جس کے بند ہو جانے سے تم ڈرتے ہو (اگر یہ ساری چیزیں) تم کو زیادہ پیاری ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جدوجہد کرنے سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ کرے اللہ اپنا فیصلہ اور یاد رکھو ہدایت نہیں دیتا فاسق لوگوں کو۔"

(توبہ۔ع۔۳)

۹۔ اللہ کے رسولؐ جب کسی کام کے لیے دعوت دیں اور پکاریں تو اس پر لبیک کہنا ہر مومن پر فرض ہے۔

"اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا جب بلاوے تم کو اس کام کی طرف جس میں تمہاری حیات ہو۔" (انفال۔ع۔۳)

۱۰۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کام کے لیے لوگوں کو بلائیں تو بلا اجازت اُٹھ کر چلا جانا کسی مومن کے لیے جائز نہیں اور جو ایسا کریں گے ان کے لیے "عذابِ الیم" کا اندیشہ ہے۔

"ایمان والے وہی ہیں جنہوں نے مانا ہے اللہ کو اور اس کے رسول کو

اور جن کا طریقہ یہ ہے) جب وہ کسی اجتماعی کام میں رسول کے ساتھ ہوتے ہیں تو کہیں نہیں جاتے تاوقتیکہ اُس سے اجازت نہ لے لیں۔

آگے اسی سلسلہ میں ان لوگوں کے بارے میں جو بلا اجازت چپکے سے سرک جاتے تھے فرمایا گیا ہے

"پس ڈرنا چاہیے ان لوگوں کو جو خلاف چلتے ہیں اس کے حکم سے، اس بات سے کہ مبتلا ہوں وہ کسی سخت فتنہ میں یا پہنچے ان کو دردناک عذاب"

(النور - ۴ - ۹)

رسولؐ کے مقام و منصب کا بیان ایک مستقل موضوع ہے اور اگر اس پر شرح و بسط سے لکھا جائے تو کتنا کچھ لکھا جا چکا ہے اس سے بہت زیادہ لکھا جا سکتا ہے اور بلا مبالغہ سینکڑوں آیتیں اس سلسلہ میں لکھی جا سکتی ہیں لیکن یہاں انہی اشارات پر میں اکتفا کر کے کہنا چاہتا ہوں کہ جب قرآن مجید سے آپ کا مطاع، امام و ہادی، آمر و ناہی، حاکم و حکم وغیرہ وغیرہ ہونا ثابت ہو گیا تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ دین کے سلسلہ میں آپ کا ہر امر و نہی، ہر حکم و فیصلہ اور ہر قول و عمل واجب التسلیم اور لازم القبول ہے۔

حضرت تھانوی نے فرمایا:

"میں دو فنوں میں ہر زمانہ میں اجتہاد کا قائل ہوں۔ ایک طبِّ جسمانی دوسرے طبِّ روحانی" (بوادر النوادر صہ ۸۱)

"نصفِ سلوک یہ ہے کہ غیر اختیاری امور کے درپے نہ ہو اور اختیاری امور میں کوتاہی نہ کرے" (مولانا تھانوی رح)

علم

معرفتِ باری کا نام ہے

حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ العالی :

علمِ حقیقی کا ذریعہ انبیاءِ کرام رہے

سورہ نمل انیسویں پارے میں سترہواں وع شروع ہو رہا ہے ان آیاتِ کریمہ سے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًاۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی کَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِہِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ .... وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ۝

(سورہ نمل : ۱۵ تا ۱۹)

اللہ جل شانہٗ اپنی عطا اپنے کرم اور اپنے احسان کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا۔

"ہم نے داؤد اور سلیمان علیہم السلام کو علم عطا فرمایا" علمِ حقیقی معنوں میں جسے علم کہا جا سکتا ہے ــــ اللہ کے نزدیک جس شے کا علم ہے وہ باتیں ہیں وہ اخبار ہیں وہ معلومات ہیں جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وسیلے سے حاصل ہوتی ہیں اور جو انسان کو اللہ کی معرفت عطا کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ جتنے علوم بھی ہیں یہ نہیں ہے کہ وہ سب غیر نافع ہیں۔ اُن کا کوئی فائدہ نہیں ہے لیکن اُنہیں اس کی صف میں ان کے مقابل کھڑا نہیں کیا جا سکتا۔ زندگی بھر کوئی مختلف یونیورسٹیوں میں مختلف کالجوں میں

مختلف اداروں میں پڑھتا رہے بہت بڑا سائنسدان بن سکتا ہے۔ بہت بڑا کیمیادان بن سکتا ہے۔ بہت بڑا ڈاکٹر بن سکتا ہے۔ بہت بڑا انجینئر بن سکتا ہے۔ فلکیات کو نجوم کو ستاروں کی روش کو انسانی ابدان کی آمیزش کو ان سب چیزوں کو جان سکتا ہے لیکن بجز انبیاء و رسل کے کوئی بھی معرفت باری یا انسان کی اس دنیا سے آنے کی پہلے کی بات اس زندگی سے گزرنے سے بعد کی بات کوئی نہیں بتا سکتا نہ کوئی بتا سکے گا۔

جب حضرت داؤد علیہ السلام اور سیدنا سلیمان علیہ السلام کا زمانہ تھا تب بھی لوگ دنیاوی علوم کے ماہر موجود تھے لیکن بالخصوص انبیاء علیہم السلام کا ذکر اللہ نے علم کے ساتھ فرما کر گویا یہ فیصلہ کر دیا کہ عند اللہ جاننا وہی جاننا ہے جو معرفت حق کا سبب بن جائے۔ اگر اس کے علاوہ انسان بھی محنت کرتا رہا تو اس کا ماحاصل ابدی زندگی میں کچھ نہیں ہوگا اور آپ دیکھتے ہیں کہ ان علوم کے علاوہ تمام علوم کافر بھی حاصل کر سکتا ہے۔ کافر بھی محنت کرے بہت بڑا انجینئر بن سکتا ہے۔ بہت بڑا ڈاکٹر بن سکتا ہے بہت بڑا سائنٹسٹ بن سکتا ہے بہت بڑا کیمیادان بن سکتا ہے۔ کوئی بھی علم جسے مومن یا مسلمان یا کوئی انسان حاصل کرتا ہے ان میں سب انسان برابر کے شریک ہیں خواہ مسلمان ہو یا کافر لیکن علوم نبوت جو ہیں یہ صرف مومن کا حصہ ہیں کافر ان کو نہیں پا سکتا۔ ان کے حصول کے لیے ایمان شرط ہے۔

نبی تمام علوم

ذات باری سے اخذ کرتا ہے

آپ اسی سے ان کی قیمت کا عند اللہ ان کی عظمت کا اندازہ لگالیں کہ ان کے دروازے خداوند کریم نے کافر پر بند کر دیئے نبی اور غیر نبی میں ایک فرق ہوتا ہے۔ نبی تمام علوم براہ راست ذات باری سے اخذ کرتا ہے اور غیر نبی نبی سے اخذ کرتا ہے یا باتباع نبی اُسے اللہ کریم کی طرف سے یہ چیزیں عطا ہوتی ہیں۔ غیر نبی کو اگر کوئی بڑے سے بڑا کمال وہبی طور پر بھی عطا ہو تو اس میں نبی کا اتباع ضروری ہوتا ہے۔ نبی کا اتباع کرکے وہ حاصل کر سکتا ہے اور نبی اور رسول جو ہوتا ہے وہ براہ راست ذات باری سے اخذ کرتا ہے۔ اُس نعمت کو خداوند کریم نے علم ارشاد فرمایا:

ہمارے ہاں معیار بدل چکے ہیں اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص چند لفظ پڑھ کر کہیں دکان کر سکے یا کلرکی کر سکے یا کہیں سے تنخواہ کا روزگار کا ذریعہ بن سکے۔ اُسے ہم نے علم کا نام دے رکھا ہے۔ حالانکہ یہ حقیقتاً علم نہیں ہے محض زندگی گزارنے

کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے۔
جسے علم کہا جاسکتا ہے وہ صرف وہ ہے جو معرفت باری عطا کرے۔ اللہ کریم اپنے احسانات کا ذکر فرماتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت داؤد علیہ السلام کو حضرت سلیمان علیہم السلام کو علم عطا فرمایا جس کے شکر کے طور پر انہوں نے عرض کیا قَالَ الحمد للہ خدا کے لیے تمام تعریفیں تمام خوبیاں اُسی کے لیے ہیں اَلَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی کَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِہِ الْمُؤْمِنِیْن ــ اُس علم کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ عجز و انکسار تضرع اور عاجزی پیدا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ جتنے علوم جتنے کمالات ہیں وہ انانیت پیدا کرتے ہیں۔

علومِ معرفتِ باری سے عجز و انکساری پیدا ہوتی ہے

آدمی کسی فن میں بھی کسی موضوع پر کمال حاصل کرکے اکڑتا ہے اپنی حیثیت کو منوانا چاہتا ہے لیکن یہ علوم معرفتِ باری سے متعلق جو علوم ہیں یہ اُسے عجز و نیاز مندی عطا کرتے ہیں۔ فروتنی عطا کرتے ہیں اور اللہ جل شانہٗ کے شکر کے جذبے کو ابھارتے ہیں۔ جب وہ دوسروں کو دیکھتا ہے تو اسے اپنی عظمت کے بجائے اللہ کی عظمت نظر آتی ہے کہ اس کا کتنا احسان ہے کہ کتنی مخلوق میں سے اس نے مجھ پر انعام فرمادیا ہے وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ داؤد علیہ السلام کی وراثت سلیمان علیہ السلام کو منتقل ہوئی اور وہ وراثت کیا تھی وہی علومِ نبوت معرفتِ الٰہیہ ــ کہ جب انہیں نصیب ہوئی تو انہوں نے کہا قَالَ یٰاَیُّھَا النَّاس . . . . فَضْلُ الْکَبِیْر اللہ تعالیٰ نے ہمیں پرندوں کی بولیاں بھی سکھادی ہیں لمنا منطق الطیر اور بے شمار امات بے شمار اعزازات بے شمار معجزات عطا فرمائے ہیں۔

یعنی نبی کی وراثت کیا ہوتی ہے وہ علوم وہ کمالات جو اللہ کی طرف سے اسے معرفتِ حق کے لیے یا اثباتِ نبوت کے لیے عطا ہوتے ہیں وہی نبی کی وراثت ہوتی ہے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم جو گروہِ انبیاء ہیں ہماری وراثت دراہم و دنانیر نہیں ہوتی درہم و دینار ہمارا ورثہ نہیں ہوتے بلکہ ہماری وراثت وہ کمالات وہ علمی خزانے وہ معرفتِ باری

ہوتی ہے جو ہم دنیا میں تقسیم کرتے ہیں اور محض نسبی رشتہ ثابت کرنے سے نبی کی وراثت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا تعلق نوعِ انسانی سے خونی اور نسبی رشتے سے مضبوط تر تعلق ہے اور وہ ہے روحانی۔ النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسہم

نبی مومن کی اپنی جانوں سے بھی قریب تر ہوتا ہے۔ نبی کا جو رشتہ رُوح کا ہوتا ہے وہ اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ اُس کے سامنے جسمانی رشتوں کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی اور وہ اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ وہ حبشہ کے رہنے والے ایک غلام کا قائم ہو جائے تو مکہ کے سردار ابولہب کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے نسبی و خونی رشتہ آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ابولہب کا بہت قریب تھا — ابولہب جو تھا یہ چچا ہونے میں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے والدِ گرامی کا سگا بھائی تھا — دوسرے چچا جو تھے اُن کی مائیں علیحدہ تھیں باپ ایک تھا مائیں علیحدہ تھیں۔ لیکن اس کی والدہ بھی وہی تھی جو حضورؐ کی دادی تھی۔

تو جب رُوح کا ایمان کا رشتہ استوار نہ ہو سکا تو اُس حد کو پہنچا بد نصیبی کی اُس انتہا کو پہنچا کہ خدا نے اس کا نام لے لے کر اُس کی تباہی اور بربادی کی خبر دی ہے — ورنہ قاعدہ یہ ہے قرآن کریم کا کہ عموماً اوصاف کے ساتھ انجام سے مطلع کر دیا جاتا ہے ایسا کرنے والوں کا یہ حشر ہوگا۔

جب نیکی میں بھی اوصاف صالح شمار کر کے اُن کے ساتھ بھلائی کی خبر دے دی جاتی ہے۔ یہ کوئی اتنا ہی بدنصیب تھا کہ اس کا نام لے کر رب کریم نے فرمایا:

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ اور چھوڑا نہیں بڑے دُور تک لے گیا۔ رب کریم اس بات مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ یعنی جس طرح ہم پنجابی میں کسی سے ناراض ہوں تو انتہائی بیزاری میں کہتے ہیں" اس کا کَکھ نہ رہے۔ خداوند کریم نے بھی فرمایا کہ ابولہب کا تو ککھ نہ رہا نہ مال نہ آبرو نہ خاندان نہ بیوی نہ بچے نہ عاقبت — اور اللہ کی شان دنیا میں بھی ایسا گرفتارِ بلا ہُوا کہ بدر کے روز یہ جنگ میں نہیں گیا تھا۔ طے یہ ہُوا تھا اہلِ مکہ میں یا آپ ہو یا اپنی جگہ کوئی آدمی دو۔ اس نے اپنی جگہ آدمی بھیج دیا تھا —

بیت اللہ شریف کے دروازے کے سامنے ایک مسلمان مزدوری کرتا تھا۔ لوہار تلواریں بنانا یا اُنہیں تیز کرنا یا اُن کی مرمت کرنا اُس کا کام تھا۔ مسلمان ہو چکا تھا لیکن اسلام کو ظاہر نہیں کر رہا تھا۔ بہت کمزور تھا بہت غریب تھا۔ نہ ہجرت کر سکا اور نہ اظہار کر سکا۔ یہ اُس کے پاس بیٹھا تھا۔ جبل ابو قبیس پر کھڑے ہو کر ایک شخص نے ندا دی بدر میں اہلِ مکّہ کو شکست ہو گئی۔ فلاں مارا گیا فلاں مارا گیا۔ ایک کہرام مچ گیا۔ مکّہ مکرمہ میں شہر میں چیدہ چیدہ لوگ قتل ہو گئے تھے اور چوٹی کے لوگ قید ہو گئے تھے۔ ستر مارے گئے اور ستر قید ہو گئے کوئی گھر ایسا نہیں تھا جہاں واویلا نہیں ہو رہا تھا لوہار کے منہ سے نکلا الحمد للہ غیر شعوری طور پر۔ اُسے یہ خیال نہیں رہا کہ ابولہب بھی بیٹھا ہے۔ بات سُن کر اُس کا دل ٹھنڈا ہُوا تو اُس کے منہ سے نکلا الحمد للہ۔

تو یہ پاس بیٹھا تھا۔ اِس کے ہاتھ میں کمان تھی۔ اس نے غصّے میں آکر اس کے گھٹنے پہ دے ماری۔ تُو بھی تو اندر سے مسلمان ہی نکلا۔ اور تُو نے ہمیں دھوکہ دے رکھا ہے۔

کمان اس کے گھٹنے پہ لگی اور ردِّعمل ابولہب کے اپنے گھٹنے پہ بن گیا۔ اللہ کریم بھی بڑا غیور ہے کیونکہ اللہ کے لیے اللہ کے دین کے لیے اُس کے منہ سے آواز نکلی تھی۔ جو ضرب اُس نے اسے لگانا چاہی تھی۔ اس کا اثر اس کے اپنے گھٹنے پہ نکلا۔ لنگڑاتا ہُوا بمشکل گھر پہنچا تو اس میں پیپ پڑ گئی۔ پھر وہ رسنے لگا۔ پھوڑا تو جہاں پیپ لگتی تھی وہاں پھوڑا بن جاتا تھا اور پھر اس میں کیڑے پڑ گئے اور جہاں جس زخم میں کیڑے پڑ جائیں وہاں بدبو ناقابلِ برداشت ہو جاتی ہے۔ تو اس کا پورا جسم ایڑی سے لے کر چوٹی تک اُن پھوڑوں سے بھر گیا اور اُن میں کیڑے رینگنے لگے۔ حتیٰ کہ زندہ اندر پڑا ہوتا تھا۔ کوئی اسے پانی دینے کے لیے اندر داخل نہیں ہوتا تھا۔ تڑپتا ہُوا مر گیا تو کسی میں ہمت نہیں تھی کہ اس کی میّت کو گھسیٹ کر کہیں لے جائے۔ بالآخر سب نے فیصلہ کیا کہ اس کے اوپر مکان گرا دو اور اسی کے اوپر قبر بنا دو۔

اگر جسمانی رشتوں کا اعتبار ہوتا تو کتنا قریبی تھا رشتہ اُس کا۔ ہاں ایک بات ہے کہ

تعلق روحانی بھی پیامبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے قائم ہو جائے اور رشتۂ خونی اور جسمانی بھی ہو تو نورٌ علیٰ نور ہے لیکن اعتبار ایمان اور رُوح کے تعلق کا ہے اگر روح کا ایمان کا عقیدے کا تعلق قائم نہ ہو سکے پھر جسم اور خون کے رشتوں کا کوئی اعتبار نہیں۔

وراثتِ نبوّتؐ، قلبی و رُوحانی تعلق آقائے نامدارؐ سے مضبوط ہو جائے

اور وراثتِ نبوتؐ بھی یہی ہے کہ جس کا قلبی روحانی تعلق حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے مضبوط ہو جائے اتنا مضبوط ہو جائے کہ وہ کرامات وہ برکات اس کی اپنی حیثیت کے مطابق اس کے وجود میں در آئیں — حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی برکات میں سے بہت بڑی ظاہر و باہر بات یہ ہے کہ پورا زمانہ، پوری دنیا، پوری انسانیت حکمرانوں محکوموں سمیت پیشواؤں اور اُن کے پیروکاروں سمیت معابد اور مندروں سمندر کفر برائی تباہی ذلّت کی دلدل میں دھنستی جارہی تھیں — حکومتیں تھیں دنیا پر سلطنتیں تھیں۔ معبد بنے ہوئے تھے۔ مختلف مذاہب موجود تھے۔ لیکن انسانیت ہر لمحہ ہر آن تباہی کی طرف جارہی تھی۔

ایک شخص نے — خدا کے ایک بندے نے — آقائے نامدار صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے تن تنہا ایک شخص نے کھڑے ہو کر آواز دی اور پوری تاریخ انسانی کا رُخ تبدیل کر دیا۔ سلطنتیں حکومتیں تھرا اُٹھیں اور پھر کمال یہ ہے اچھائی کی طرف سے بُرائی کی طرف گھسیٹ لے جانا یہ آسان ہے کیونکہ تخریب فطری طور پر ہر ذہن میں موجود ہوتی ہے۔ تعمیر بہت مشکل ہوتی ہے اور منفی کی طرف سے مثبت کی طرف لے جانا یعنی انتہائی ڈھلان سے کسی کو بلندی پہ لے جانا محال ہوتا ہے اور پوری خدائی کو اکیلا ایک خدا کا بندہ اسی طرح پلٹ دیتا ہے گویا جہاں حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کے قدم لگے وہاں سے آگے کا راستہ ہی بند ہو گیا — یوں نظر آتا ہے کہ ساری کائنات واپس عظمتوں کی طرف رواں ہو گئی۔

اور یہ کیا آسان کام ہے ایک جملہ جو حضورِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا — دیکھیں ہر جملے کے: پیچھے کہنے والے کی قوت ہوتی ہے — میں آپ سے بات کر رہا

ہوں شاید اس لاؤڈ سپیکر کے بغیر مسجد میں بیٹھنے والوں تک تو پہنچتی رہے لیکن وہ باہر والوں کو یہ مشین پہنچا رہی ہے اس کی بھی ایک حد ہے اس سے آگے مشین بھی نہیں پہنچا رہی ۔

کیا قوت تھی اُس آواز میں جو حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کوہِ صفا پہ کھڑے ہو کے ایک بار ارشاد فرما دی فرمایا : قولوا لا الٰہ الا اللہ ۔ آپؐ کا وہ فرمانا کہ لوگو کہہ دو لا الٰہ الا اللہ ۔ وہ دن اور آج کا دن روئے زمین پر کوئی خطہ ایسا نہیں ہے ، جہاں نہ کہا جا رہا ہو لا الٰہ الا اللہ ۔

کتنی قوت تھی اس حمد کے پیچھے کتنی طاقت تھی کتنا خلوص تھا کتنی گہرائی تھی کہ صدیوں کے فاصلے اس کی قوت کو مندمل نہیں کر سکے ۔ لوگوں کی شکلیں نہیں ملتیں ۔ ملک نہیں ملتے زبانیں نہیں ملتیں ۔ ایک دوسرے کو جانتے نہیں ہیں لیکن جہاں سورج طلوع ہوتا ہے وہاں سے لے کر جہاں غروب ہوتا ہے ، وہاں تک کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں آج بھی انسانیت کہہ نہ رہی ہو :

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

تو یہی کمال جو ہیں من جانب اللہ جو عطا ہوتے ہیں یہی اصل انبیاء کی جاگیر بھی ہیں میراث بھی ہیں اور یہی تو ارث کے طور پر اُن سے چلتے ہیں ~~ہیں~~ اور جس وجود میں یہ بات دیکھی جائے کہ وہ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہو جو اُس کے ساتھ اُس کے قریب ہوں جو اُس کو ملیں اُن کے دل میں بھی حضورؐ کی محبت اور حضورؐ سے تعلق پیدا ہو جائے اللہ کی اطاعت پیدا ہو جائے تو یہ کمال اُس شخص کا نہیں ہو گا کمال نبی کا ہو گا اس شخص کا کمال صرف یہ ہو گا کہ اس نے اپنا تعلق پیامبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اتنا مضبوط کر لیا ہے کہ اس کے وسیلے سے بھی حضورؐ کی برکات پہنچتی ہیں ۔

یہی بات یہاں سیدنا سلیمانؑ نے ارشاد فرمائی ۔ فرمایا : لوگو خدا نے ہمیں پرندوں تک کی زبان سکھا دی ہے تم تو پھر انسان ہو تمہیں سمجھنا تمہارے ارادوں کو سمجھنا تمہاری تمناؤں اور تمہارے ارادوں کو جاننا تمہارے دل کے امراض یا اس کی خوبیوں اور خامیوں کو پرکھنا یا اُس کا علاج کرنا اس سے آگے بڑھ کر جو مخلوق مکلف نہیں ہے خدا نے

اُس کی زبانیں بھی ہمیں سکھادیں۔
تو گویا یہ ثابت ہُوا کہ بطور کرامت یہ بات اہل اللہ میں پائی جاسکتی ہے کہ حیوانات یا پرندوں کی زبان بھی سمجھیں۔ اِس میں کوئی استبعاد نہیں ہے۔
فرمایا وحشر لسلیمان جنودہٗ من الجنّ والانس والطیر فہم یوزعون۔ اللہ کریم فرماتے ہیں سلیمان علیہ السلام کو مَیں نے ایسی حکومت دی انسانوں پر جنوں پر حیوانات پر اور یہ ساری چیزیں اُن کی بارگاہ میں حاضر ہوکر اُن کی اطاعت کرتی تھیں آداب بجالاتی تھیں۔ اتنا وسیع ملک عطا فرمایا کہ روئے زمین کی تمام چیزیں اُن کے تابع کردیں۔ حیوانات اُن کی زبان سمجھتے ہیں اور آپ اُن سے باتیں کرسکتے تھے۔
تو فرمایا: ایک دفعہ جب نکلے حتّٰی اذا اتوا علی واد النمل۔ ایک وادی سے گزر رہے تھے جہاں چیونٹیاں بکثرت ہوتی تھیں قالت نملۃ یا ایہا النمل ادخلوا مساکنکم۔ تو ایک چیونٹی نے ایک کیڑی نے کہا دوسری چیونٹیوں کو دوسری کیڑیوں کو کہ اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ۔ کیونکہ ایسا نہ ہو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر تمہیں مسل دے وھم لا یشعرون اور اُنہیں یہ خبر بھی نہ ہو کہ کتنی مخلوق خدا ہمارے پاؤں کے نیچے مسلی گئی ہے۔ گویا ربّ العالمین یہ جو مادی نظام ہے دنیوی زندگی کی بقا کا جو نظام ہے ربّ العالمین نے جانوروں کو پرندوں کو اور کیڑوں کو مکوڑوں کو بھی تعلیم فرمادیا۔ رزق کس طرح سے پیدا کرنا ہے۔ یہ ایک پرندہ ایک حیوان ایک درندہ اور ایک کیڑا سب جانتے ہیں کہ میرے لیے کس طرح کا رزق اور مجھے کہاں سے ملے گا اولاد اُس کی حفاظت اُس کے رہنے سہنے کے لیے گھر اُن کے رہنے کے لیے ٹھکانا بنانا یہ سارا نظام جس پہ ہم نازاں ہیں کہ ہم نے ایک ایسا نظام قائم کرلیا یہ سارا نظام تو ان چیونٹیوں کے ہاں بھی قائم ہے جن کی ایک سردار ہے اور اُنہیں وہ نصیحت کررہی ہے کہ دیکھو مَیں تمہیں خبردار کرتی ہوں حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر آرہا ہے ایسا کرو بھاگ کر اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ۔ یہ نہ ہو ماری جاؤ۔

تو اگر انسان نے بھی اپنی ساری زندگی میں اتنا ہی کمال کر دکھایا کہ اُس نے اپنے لیے عالی شان مکان بنا لیا موٹر خرید لی یا اُس کی اولاد ہو گئی ۔ بیوی بچے ہو گئے یا بینک بیلنس ہو گیا اور کھایا کر وہ دنیا سے چلا گیا تو اُس نے چیونٹی سے بڑھ کر زیادہ کارنامہ انجام نہیں دیا ۔۔ یہ جتنا کچھ ہم کرتے ہیں بحیثیت انسان ہوتے ہوئے اتنا ہی تو ہم آپ ایک ایک حیوان ہیں ۔ ایک ایک جانور میں دیکھ لیں ۔۔ اور خداوند کریم نے ایسے کوئی کمپیوٹر فٹ کر رکھے ہیں ہر جانور میں ایسی عجیب قوت ہے کہ میں نے شکار میں یہ تجزیہ کیا ہے ۔۔ اگر ہمارے پاس بارہ بور بندوق ہو اس کے رینج سے شکار نکل جائے تو وہ آرام سے کھڑا ہو جاتا ہے اُس کے ذہن میں بھی یہ بات آ جاتی ہے کہ ان کی رسائی یہاں تک نہیں ہے ۔۔ خالی ہاتھ جو گڈریے وہاں جنگل میں پھر رہے ہیں ، ہیں جن کے پاس اسلحہ نہیں ہوتا اُن کے ریوڑ میں مل کر جنگل کے ہرن اور ہڑیال چرتے رہتے ہیں ۔ اُن کی پرواہ نہیں کرتے ۔ وہ پتھر پھینکتے ہیں تو وہ کھڑے ہو کر دیکھتے ہیں کہ کیا مذاق کر رہے ہیں ۔۔ اور میں نے یہ بارہا تجربہ کیا ہے کہ جب بھی رائفل پاس ہوتی ہے تو میلوں مڑ کر نہیں دیکھتے ۔۔ اُن کے اندر بھی اللہ کریم نے ایسا تعلق قائم کر رکھا ہے کہ اُنھیں خداوند کریم سے ہی خبر پہنچتی رہتی ہے سوائے اُس کے جس کی زندگی ختم ہو چکی ہو دوسرا نہیں رُکتا ۔

علمائے حق لکھتے ہیں صرف انسان کو اختیار دیا ہے رب کریم نے وھدینا السبیل اما شاکراً و اما کفورا ۔۔ یہ شکر کرے یا ناشکری کرے اس کے لیے ایک وقت مقرر تک اسے مہلت دی جاتی ہے ۔ انسان کے علاوہ دنیا کی کوئی شے جس لمحے جس آن ذکرِ الٰہی سے غافل ہو جائے اُسی لمحے اُس کی موت آ جاتی ہے ۔

کوئی چیز کوئی وجود اللہ کے ذکر سے خالی نہیں

قرآن کریم کی آیت ہے وان من شیءٍ الا یسبح بحمدہٖ ۔۔ کوئی چیز کوئی وجود ایسا نہیں ہے جو اللہ کی تسبیح نہ بیان کر رہا ہو ۔۔ حیوان ہیں چرندہ ہے پرندہ ہے درندہ ہے پہاڑ ہے دریا ہے ،

کوئی ذرہ اللہ کی تسبیح بیان کرتا ہے تو اس کا وجود ہے اور جیسے تسبیح سے غفلت آئے اُس کا وجود معدوم ہو جاتا ہے۔ وہ شئے شئے نہیں رہتی۔

میرے خیال میں شکاریوں سے بھی وہی جانور مرتے ہیں جن سے اللہ کی یاد چھوٹ جاتی ہے۔ میں ایک دن دیکھ رہا تھا فتاویٰ مہریہ۔

کسی نے پیر مہر علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ سے سوال کیا۔ آدمی ذبح کرنے لگے اور اُسے خیال نہ رہے چھری چلا دی اور خیال نہیں رہا کسی سے بات کر رہا ہے اور اُس کا دم نکل گیا کرنے تو ذبح لگا تھا لیکن تکبیر نہ پڑھ سکا۔ اللہ اکبر نہ کہہ سکا کسی دوسرے کی طرف متوجہ ہو گیا اُس کی بات سُننے کرنے لگا۔ جب اس نے تکبیر پڑھی تب تک وہ جانور مر چکا تھا۔ تو کیا یہ ذبح حلال ہو جائے گا بعد میں تو اس نے تکبیریں پڑھیں جب وہ اس کی طرف متوجہ ہُوا۔

فرمایا جب دم نکل چکا زندگی کے آثار ختم ہو چکے پھر کیسے حلال ہو گا۔ اُسے یہ مسئلہ بتا کر جو حاضرین محفل بیٹھے تھے اُن سے کہنے لگے دیکھو جانور مکلف نہیں ہے اِس کا جو دم بغیر اسم الٰہی کے نکلتا ہے وہ کس شمار میں ہے۔ کتنے سانس یہ لیتا ہے ہر لمحے یہ دم جو لیتا ہے اور خارج کرتا ہے تو یہ دم اللہ کے نام کے بغیر نکلتے ہیں۔ خالی نکلتے ہیں غفلت میں نکلتے ہیں جب اُن کا شمار ہو گا تو پھر اُس کے پاس کیا جواب ہو گا یہ صرف انسان نے مہلت پائی ہے ورنہ ہر مخلوق کا رب العزت کے ساتھ رابطہ اور تعلق قائم ہے اور سب کو اُن کی ضروریات تعلیم فرماتا ہے مچھلی کا بچہ اگر پانی میں پیدا ہوتا ہے تو اُسے کوئی انسٹیٹیوٹ کوئی ادارہ کوئی کالج کوئی انسٹرکٹر اُسے تعلیم نہیں دیتا تیرنے کی وہ پیدا ہوتے ہی تیرنا شروع کر دیتا ہے۔ گائے بھینس بچھڑا بچہ دیتی ہیں اُسے کوئی سکھاتا نہیں ہے کہ دودھ کہاں ہے چھوڑ دیں تجربہ کر کے دیکھ لیں۔ وہ کھڑا ہو کر اُس کے نیچے سے تھن تلاش کر رہا ہو گا۔ اسے کون بتاتا ہے کہ یہاں تیری غذا ہے تھن پکڑ کر اُن میں سے دودھ چوسنا بھی تو ایک کام ہے۔ کون سکھاتا ہے اُسے کہ وہ پیدا ہوتے ہی اُسے چوسنا شروع کر دیتا ہے۔ جگالی کرنے والے جانوروں کے چھوٹے بچے

جگالی شروع کر دیتے ہیں ۔ حالانکہ یہ اتنا اُلٹا کام ہے کہ ہم آج تک نہیں سمجھ سکے ۔ اگر انسانوں کو پتہ چل جائے تو ننانوے فی صد انسان جگالی تو کرلیں کم ازکم بھوکا سونے سے ۔ کون سمجھاتا ہے انہیں ۔۔۔

شہد کی مکھی کو کون بتاتا ہے کہ پھول کہاں ہے اور یہ میلوں نکل جاتی ہے رس لینے کے لیے اُسے واپسی کا راستہ ایسے یاد ہوتا ہے کہ ہر مکھی اپنے ہی چھتے میں جاتی ہے اور ہر رس میں سے وہ ایسا میٹھا لعاب بنالیتی ہے کہ دنیا کے سارے کاریگر اگر لگے رہیں اتنے وٹامنز آج تک کسی ایک دوائی میں بنائے ہی نہیں جا سکے اور نہ جمع کیے جا سکتے ہیں ۔

تو یہ ساری چیزیں زندگی گزارنے کے اسلوب گھر بنانے کا ڈھنگ اولاد کو پالنا یہ ساری چیزیں ایک مچھر مکھی سے لے کر کتے خنزیر تک ۔ ایک پرندے سے لے کر درندے تک اور حیوان سے لے کر انسان تک اس کی تعلیم میں برابر ہیں ۔

عظمتِ انسانی
رضائے الٰہی کا حصول

عظمتِ انسانی یہ ہے کہ وہ اُن تعلیمات سے مزین ہو جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے تقسیم فرمائیں اور اُن کمالات کا حامل ہو جو اللہ کے نبیوں اور رسولوں نے کائنات میں تقسیم فرمائے ہیں ۔ اسی کا نام انسانیت اور انسانی کمال ہے ۔

تو فرمایا سلیمان علیہ السلام جہاں تھے ابھی تو دُور تھے ناکہ چیونٹی اطلاع کر رہی تھی ان کو ۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو ایسی قوت دی تھی کہ وہاں چیونٹی کی بات سُن رہے تھے ۔ فتبسم ضاحکا ۔۔۔ کھلکھلا اُٹھے آپ مسکرائے لیکن تھوڑی سی مسکراہٹ جس میں ہلکی سی ہنسی بھی شامل ہوگئی ۔۔۔

وقال اور کہنے لگے رَبِّ اَوْزِعْنِیٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ ۔ خدایا کتنے احسان ہیں تیرے کتنے انعامات ہیں تیرے کہ اب ان کے لیے توفیق شکر بھی تُو عطا کر سکتا ہے ۔ تیرے شکر کرنے کی بھی استعداد نہیں ہوسکتی یعنی علوم انبیاء جو ہیں اللہ کے نبیوں کے واسطے جو علوم نصیب ہوتے ہیں اُن کا

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی عظمت راسخ ہوتی جاتی ہے اور عجز اور نیازمندی انسان میں زیادہ در آتی ہے اور نتیجۃً کیا ہوتا ہے وَاَنْ اَعْمَلَ صٰلِحًا تَرْضٰهُ ـــــ ایسے اعمال کرنے کی توفیق عطا فرما جو اعمال صالح ہوں اور تیری رضا کے حصول کا سبب ہوں ـــــ

یعنی وراثت انبیاء کیا ہے ۔ انسان میں اللہ جل شانہٗ کی یاد راسخ ہو جائے اللہ کا قُرب نصیب ہو جائے اللہ سے تعلق قائم ہو جائے اور اُس کے اعمال صالح ہو جائیں ۔ اُس کا کردار نکھر آئے اور اُس کے اعمال ایسے ہوں جو رضائے الٰہی کا سبب ہوں ۔ اسی کو ولایت کہیں گے ـــــ

ہمارے ہاں جو یہ رواج ہو چلا ہے کہ جو شخص بھی زیادہ بدکار ہوتا جائے اُس کی ولایت بھی زیادہ راسخ ہوتی جاتی ہے ۔ حتیٰ کہ جب لوگ نشہ پی کر دُھت ہو کر گلیوں میں لیٹنا شروع کر دیتے ہیں وہ بڑے گز بیٹھ ولی اللہ کہلاتے ہیں اور اگر کپڑے بھی اتار دیں تو پھر تو اُن کی کوئی مثال ہی نہیں ملتی ـــــ اور یہ انتہائی بدنصیبی ہے کہ کوئی بُرائی کو اچھائی کے رُوپ میں سمجھے اور اچھائی کو اُلٹ سمجھنا شروع کر دے اس سے بڑی بدنصیبی دنیا میں کیا ہوگی ـــــ کرامات اولیاء اللہ برحق ہیں قرآن کریم سے ثابت ہیں ـــــ یہاں تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر چل رہا ہے اور یہ بھی یاد رکھیں انبیاء کے معجزات بطور وراثت اُن کے حقیقی متبعین میں منتقل ہوتے ہیں اور اُسی کو ولی کی کرامت کہتے ہیں ـــــ تو کرامت وہی بات ہوگی ـــــ چونکہ نبی کا معجزہ اللہ کے دین کو برحق ثابت کرنے کے لیے اللہ کے نبی کی نبوت کے اثبات کے لیے ظہور پذیر ہوتا ہے ـــــ فعل ذات باری کا ہوتا ہے صادر نبی اور رسول کے ہاتھ پر ہوتا ہے اور ہوتا اس لیے ہے کہ نبوت کی تصدیق ہو جائے ۔ یا اللہ کے دین کا بول بالا ہو جائے تو کرامت بھی وہی ہوگی جو نبی کے معجزے سے منتقل ہو کر نبی کے کسی متبع کے ہاتھ پہ صادر ہو ۔ اور اللہ کے دین کی تائید کے لیے ہو ۔ نبی کی حقانیت کو منوانے کے لیے ہو ـــــ اس کے علاوہ اگر کوئی عجیب بات دکھاتا ہے جس سے وہ شہرت حاصل کرتا ہے جس سے دولت سمیٹتا ہے جس سے وہ اپنے آپ کو لوگوں پہ مسلط کرنا چاہتا ہے ۔ نیکی،

ورع تقویٰ بھلائی اس میں نہیں ہے تو یہ استدراج ہوگا شعبدہ ہوگا کرامت نہیں ہوگی ـــــ

کرامت ـ اتباعِ شریعت پہ استقامت کا نام ہے

یعنی ہر ایسی بات جو میری اور آپ کی سمجھ میں نہ آئے کرامت نہیں ہے وہ تو مداری کا شعبدہ بھی ہوسکتا ہے وہ استدراج بھی ہوسکتا ہے لیکن کرامت وہ ہوگی وہ فعل جو شریعت کی تصدیق کے لیے باتباعِ نبی نصیب ہو اور جس میں نبی کی عظمت کو خدا کی عظمت کو نبی کے دین کو منوانا مقصود ہو اور جس کے نتیجۃً کم از کم جس کے ہاتھ پر صادر ہو کم از کم اس کے اعمال تو درست ہوں۔ یہ بھی شرط ہے۔

جس طرح یہاں سیدنا سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا . . . . . . فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ کہ خدا یا ایسے صالح اعمال کی توفیق عطا فرمادے جو تیری رضا کی حصول کا سبب بن جائیں۔

یعنی ولایت کیا ہے کرامت کیا ہے۔ ان تمام کمالات کا حصول کیا ہے انسان کا دل اُن گنجینہ بن جائے جو انبیاء نے تقسیم فرمائے۔

اور انبیاء اور رسولوں نے دنیوی زندگی سے منع نہیں فرمایا یہ بھی بڑی اُلٹ سونچ ہے لوگوں کی وہ سمجھتے ہیں شاید مذہب کو اپنانے سے دنیوی زندگی چھوٹ جائے گی بلکہ دنیا وی زندگی کو مزے دار طریقے سے بسر کرنا ہو تو بھی نبی کا قرب ہی ضروری ہے اگر نبی کا قرب کسی کو نصیب نہ ہو تو اس کی دنیاوی زندگی بھی جہنم کا نمونہ بن جاتی ہے۔

اسلام سلیقہ زندگی سکھاتا ہے

اسلام تو نام ہے دنیا کو بھی مزے لے کر بسر کرنے کا اور کسی بھی شے کا لطف حاصل کرنے کے لیے اُس کا جو صحیح طریقہ استعمال ہے اُس طرح سے کریں گے تو لطف حاصل ہوگا۔ اگر اس کے طریقہ استعمال کے اُلٹ کریں ـــ آپ پاؤں کی جوتی اُلٹ کر پہن لیں دائیں کی بائیں میں اور بائیں کی دائیں میں تو آدمی چل نہیں سکتا۔ پاؤں کو کاٹ لے گی آرام تب ہی دے گی جو جس پاؤں کے لیئے بنی ہے اُس میں پہنی جائے کوئی شلوار کو گلے میں ڈالنا چاہیئے اور قمیض سے

ہو تو سولی پہ لٹکتے ہوئے بھی مطمئن ہی ہوتا ہے اور اگر دل مطمئن نہ ہو تو شاہی محل میں رہتے ہوئے بھی تڑپتا رہتا ہے۔

میرے بھائی ولایت کیا ہے کہ کسی انسان کو نبی کا پرتو جمال حاصل ہو۔ خواہ وہ کوئی غریب ہو امیر ہو محکوم محکوم جس شخص میں جس وجود میں پیغمبر صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی کوئی ادا نظر آئے اُسے ہم ولی کہیں گے۔

اور کوئی کتنے عجائبات دکھائے لیکن اُس کی عادات اُس کے اخلاق اُس کے اطوار میں حضورؐ کی خوشبو نہ ہو تو وہ ولی نہیں ہے۔ بڑی سادہ سی بڑی سیدھی سی بات ہے۔

اور یاد رکھو انبیائؑ سے اولیائؒ سے حاصل کرنے کی نعمتیں وہ ہیں۔ جو اللہ نے انبیائؑ کو عطا فرمائیں وہ علوم جو معرفتِ باری کا سبب اور ذریعہ ہیں۔ ہم پھر یہاں بھی بھول جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اولاد اہل اللہ کے پاس جا کر ملے گی۔ مال وہاں جا کر ملے گا۔ دولت وہاں حاصل ہوگی۔ یہ سب فضولیات ہیں۔ یہ تو ایسی بات ہے جہاں نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا اتباع بنتا ہو جہاں خدا اور خدا کے رسول کا قرب مل سکتا ہو وہاں جا کر ایک وقت کی روٹی کوئی اگر مانگے تو کتنا احمق ہے یہ رزق تو بٹ چکا میاں میرے اور آپ کے پیدا ہونے سے پہلے ـــ وجود بننے سے پہلے خالق کائنات نے اپنی مخلوق کے لیے پیدا کر دیا تھا اور اُسے بانٹ بھی دیا تھا تقسیم بھی تقسیم کر دیا تھا۔

الا وانّ نفساً لن تموت حتیٰ

دنیا میں کوئی نفس اپنی روزی کھائے بغیر نہیں مرتا۔ اگر مرنے سے پہلے ایک ایک لقمہ بھی چھوڑ دیں تو آج کتنی غذا جمع ہو چکی ہوتی ـــ اور آج تک گزرنے والے انسان اگر ایک ایک لقمہ زائد کھاتے میرے اور آپ کے لیے کچھ نہ بچتا ـــ کوئی نہیں دوسرے کا ایک ذرہ بھی کھا سکتا۔ یہ ساری چیزیں از خود تقسیم ہوتی رہتی ہیں۔

اگر تم اپنی عمر کو لگانا چاہتے ہیں تو خدا کی طلب میں لگاؤ۔ قُربِ مصطفٰے کی طلب میں لگاؤ ـــ اللہ کریم آپ کو یہ نعمت عطا فرمائے۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ ربّ العالمین

"بہترین مومن وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے اس کے ہمسائے محفوظ رہیں۔" (حدیث نبویؐ)

چترال - ایک بار پھر

ڈاکٹر عظمت اقبال بٹ

حضرت کے دورۂ چترال اکتوبر ۱۹۸۷ء کے دوران یہ طے ہوا کہ وادئ بمبریت کے باسیوں کے لیے ایک میڈیکل مشن بھیجا جائے۔ جو ان کی طبی امداد کے ساتھ نو مسلموں کی خبر گیری کرے۔ اور انہیں حسبِ ضرورت مالی امداد بھی فراہم کرے۔ چنانچہ ۲۵ نومبر ۸۷ء کی صبح بعد از نمازِ فجر یہ مشن ڈاکٹر عظمت کی سربراہی میں بذریعہ جیپ جو خاص اسی مقصد کے لیے خریدی گئی تھی، پشاور سے عازمِ چترال ہوا۔ جناب دلاور اور سعید ہم سفر تھے۔ بٹ خیلہ سے خورد و نوش کا سامان خریدا کہ معلوم نہیں وادئ بمبریت میں حالات کیسے ہوں۔ نہ کوئی واقف تھا اور نہ ہی شناسا اور نہ ہی کسی قسم کی امداد کی توقع تھی، نہ یہ علم تھا کہ رہائش کہاں ہوگی؟ موسم کی سختی کا بھی کچھ اندازہ نہیں تھا جو کچھ ذہن میں آتا، خرید لیتے۔ بھنے ہوئے چنے، گڑ، موم بتیاں، ماچسیں اور کچھ اسی قسم کی چیزیں تھیں جنہیں ہم روزمرّہ کی زندگی میں کچھ خاص اہمیت نہیں دیتے ــــ اللہ کے فضل و کرم سے ہم شام کو میرکھنی پہنچ گئے جو کہ وادئ چترال کی پہلی بڑی بستی ہے ــــ رات وہیں قیام کیا اور ۲۶ نومبر کو علی الصبح براستہ دروش وادئ بمبریت پہنچے ــــ

اس وادی کی ابتدا سطح سمندر سے تقریباً ۰۰…۴ فٹ بلند ہے جو بتدریج بڑھتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کے اس کے آخری گاؤں کی بلندی تقریباً ۶۵۰۰ فٹ کے قریب ہوجاتی ہے۔ آگے پہاڑی سلسلہ ہے جس کے پار

افغانستان ہے۔ وادی تقریباً سات میل لمبی اور دو میل چوڑی ہے۔ یہ وادی پھلدار درختوں کا گھر ہے۔ اخروٹ کے بڑے بڑے درخت بکثرت ہیں اور بہت پھلتے پھولتے ہیں۔ اس کے علاوہ ساری وادی سیب، خوبانی، آڑو، ناشپاتی اور شہتوت کے درختوں سے اٹی پڑی ہے ہر درخت پر انگوروں کی بیلیں ایسے پھیلی ہوئی ہیں جیسے ان کی خوب صورتی کو نظر بد سے بچانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ کوئی بہت ہی بے ذوق انسان ہوگا جو فطرت کی اس خوب صورتی سے بے اعتنائی برتے۔ ہم تو اس کے اسیر ہو کر رہ گئے جیسے ہی آپ وادی چترال سے وادی بمبریت میں داخل ہوتے ہیں سڑک نہ صرف ناہموار بلکہ انتہائی تنگ ہوتی چلی جاتی ہے۔ اسی تنگ سڑک پر جہاں ہر دو قدم پر نیا موڑ آجاتا ہے۔ سامنے سے آنے والی گاڑی کو راستہ دینا بذاتِ خود ایک کارنامہ ہے۔ اگرچہ ٹریفک زیادہ نہیں ہے لیکن پھر بھی راہ میں چند گاڑیاں مل ہی جاتی ہیں۔ جناب سعید گھبراہٹ میں ایک ہی فقرہ دہراتے جاتے "ڈاکٹر صاحب تھوڑا پہاڑ کی طرف" لیکن پھر بھی اُس کا سیٹ پر بیٹھے ہوئے میری طرف کھسکنا راستے کے پُرخطر ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ وقت کیونکہ بہت کم تھا اور کام بہت زیادہ اس لیے مناسب رفتار قائم رکھتے ہوئے ہم تقریباً نو بجے صبح وادی بمبریت کے آخری گاؤں شیخاں دیہہ پہنچ گئے جہاں ایک سرکاری ریسٹ ہاؤس ہے ـــ کافی افہام و تفہیم کے بعد چوکیدار نے دروازہ کھولا اور ہم براجمان ہوگئے ـــ اللہ کا شکر ادا کیا۔ سعید کو نظم سپرد کرنے کے بعد میں اور دلاور صاحب اپنے ایک مقامی ساتھی سکندر صاحب کو جو میرکھنی سے ہمارے ساتھ شامل ہوئے تھے ساتھ لے کر کسی ایسی جگہ کی تلاش میں چل نکلے جہاں بیٹھ کر مریضوں کو دیکھا جا سکے۔

پوری وادی میں پانچ بڑے اور پانچ ہی چھوٹے گاؤں ہیں۔ ان میں سے کچھ گاؤں کافروں کے ہیں (جن کو کیلاش کہا جاتا ہے) جن کے طرزِ حیات کو دیکھنے ساری دنیا سے سیاح آتے ہیں۔ کچھ مسلمانوں کے ہیں اور کچھ چھوٹی چھوٹی بستیاں نومسلموں کی۔

شیخاں دیہہ سے واپسی راستہ پر سب سے پہلا بڑا گاؤں کراکال ہے جو کیلاشوں کا سب سے بڑا گاؤں ہے۔ اس سے بعد

کندھیسار ہے جو مسلم آبادی کا خاصا بڑا گاؤں ہے اس کے بعد بردن ہے جو آدھا مسلمان اور آدھا کیلاش لوگوں پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد امبش ہے جس میں مسلم اور کیلاش آبادی کا تناسب برابر ہے اس کے بعد بڑا گاؤں پہلوان دیہہ ہے جو تقریباً سارا مسلمان ہے۔

کندھیسار وادی کے درمیان میں واقع ہے۔ میری نظر انتخاب بھی اس پر پڑی۔ علاج معالجے کے لیے یہاں گورنمنٹ نے ایک بنیادی مرکزِ صحت بھی تعمیر کیا ہے لیکن آج تک کوئی ڈاکٹر وہاں متعین نہیں ہوا۔ اس کا عملہ ایک ڈسپنسر، ایک کمپاؤنڈر، ایک چوکیدار اور ایک دائی پر مشتمل ہے جو سارے علاقے کے زچگی کے کیس کرتی ہے اور کیلاش ہے۔ ہم پہنچے تو چوکیدار نے ہمیں وہاں مریض دیکھنے سے منع کر دیا اور کہا کہ جب تک ڈسپنسر نہ آجائے وہ ہمیں وہاں مریض دیکھنے کی اجازت نہیں دے گا۔ بہت کوشش کی لیکن اُس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ ہم آخر مفت علاج کیوں کریں گے۔ بعد میں معلوم ہُوا کہ اس کے خدشات صحیح تھے۔ کیونکہ چند ماہ پہلے باہر کے ملک کی ایک میڈیکل ٹیم وہاں آئی مفت علاج کے لیے۔ جس نے اس عمارت پر ایسا قبضہ جمایا کہ پولیس کو مداخلت کرنی پڑی۔ اس لیے وہ کسی قسم کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ہسپتال کے پاس ہی دو کمروں کا ایک ہوٹل ہے جس پر سرحد ہوٹل کی تختی نصب ہے اور نیچے دو دکانیں ہیں جن کا مالک انتہائی حلیم الطبع انسان ہے — اس نے کہا کہ آپ دوائیاں اوپر کمرے میں رکھیں اور باہر برآمدے میں مریض دیکھیں اور جب تک چاہیں اس جگہ کو استعمال کریں۔ ویسے بھی یہ ہوٹل ان دنوں خالی پڑا ہے۔ کسی مصرف میں آجائے گا۔

ہم نے اللہ کا شکریہ ادا کیا۔ دوائیاں اتاریں۔ ابھی ترتیب ہی دے رہے تھے کہ بات پھیل گئی اور مریضوں کی آمد شروع ہو گئی۔ میں نے دلاور صاحب کو بلاکر اکال روانہ کیا کہ نومسلموں کے حالات دیکھیں اور اُن کی امداد کے لیے ضروری اعداد و شمار اکٹھے کریں۔ سکندر چونکہ وہاں کی زبان جانتے تھے اس لیے میرے ساتھ ترجمان کی حیثیت سے رہ گیا۔

جب مریضوں سے فارغ ہوئے تو سورج غروب ہو رہا تھا اور خنکی اچھی خاصی سردی میں تبدیل ہو چکی تھی۔ ہم نے دوائیاں سمیٹیں

اور جیپ میں بیٹھ کر دلاور کو لیتے ہوئے ریسٹ ہاؤس پہنچے۔ ذکر اور عشاء سے فارغ ہو کر بجھتے ہوئے چولہوں اور گرد کے ارد گرد بیٹھ کر سارے دن کی کارگزاری پر سوچ بچار کی اور کل کا لائحہ عمل تیار کیا وقت بہت کم ہے۔ واپسی کا راستہ برف باری کی صورت میں بند بھی ہو سکتا ہے اس لیے تین دن کے بعد ہمیں بہر حال نکل جانا چاہیئے۔

رات سونے سے پہلے مشائخ کرام کی خدمت میں دعا کی درخواست کی اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ پہلے ہی دن بہت سارا کام ہو گیا تھا۔ ۲۷ اور ۲۸ نومبر کو میں مریضوں میں مصروف رہا۔ سعید کندھیسار سے چترال کی طرف اور دلاور کندھیسار سے دوسری طرف کے دیہاتوں میں مصروف کار رہے — جب ۲۸ نومبر کو رات معمولات سے فارغ ہو کر بیٹھے تو اللہ کے فضل و کرم سے ہمارے پاس مستحقین کی فہرستیں تیار تھیں۔ جن میں ہم نے کپڑے۔ دوائیاں اور کچھ نقد رقم تقسیم کرنی تھی۔ جو احباب نے پشاور روانگی سے پہلے جمع کر کے ہمارے حوالہ کی تھی۔ اب ہمارے پاس ایک ہی رات تھی جس میں ہم نے اُن فہرستوں کے مطابق امداد تقسیم کرنی تھی۔ ہمارا سب سے بڑا مسئلہ "حق را بحق دار رسید" کا تھا۔

باقی حضرات کی کیفیات تو میں نہیں جانتا لیکن میرے دل میں خدشہ یہی تھا کہ میں خود تو مریض دیکھنے میں مصروف رہا اس لیے استحقاق کا اندازہ نہ تھا۔ اس لیے اللہ کا نام لے کر ہر نام کے آگے رقم بھرنی شروع کی اور جب میزان کیا تو بے اختیار منہ سے الحمدللہ نکل گیا۔ دلاور کو میزان چیک کرنے کے لیے کہا تو اُس نے پوری تقسیم کی توثیق کی۔ سعید کہنے لگے کہ عجیب اتفاق ہے جس کے متعلق میں چاہتا تھا کہ اس کو زیادہ ملے اُس کے آگے زیادہ ہیں۔ بہر حال ہم سمجھ گئے کہ ہم تو صرف پہنچانے والے ہیں۔ حقدار کے فیصلے کہیں اور ہوتے ہیں جہاں غلطی کی گنجائش نہیں۔ کپڑے کی تقسیم میں بھی ایسا ہی ہُوا۔ حتیٰ کہ تھان میں سے جو چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بچے وہ بھی اُن لوگوں کے بچوں میں برابر تقسیم ہو گئے۔

رات بارہ بجے کے قریب موم بتی کی روشنی میں اُن پر ہر ایک کا نام لکھا گیا اور وہ احساس جو کہ پہلے صرف ذکر کے وقت حاوی ہوتا تھا کہ ہم اکیلے نہیں ہیں اس احساس

کو دل میں لیے سو گئے۔

۲۹ر نومبر کو وہ مبارک صبح تھی جب ہم نے رو رو کر اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ ہمارا یہ آنا جانا قبول فرما۔ آج ہم اپنے شیخ کی اُس تمنا کی تکمیل کے لیے روانہ ہونے والے تھے جو انھوں نے اس وادی میں سے گزرتے ہوئے ۲۶ر اکتوبر ۸۷ء کو کی تھی کہ ہم یہاں کے نو مسلموں کی مدد ہر ایک کے گھر جا کر کریں گے۔۔۔ دل میں رہ رہ کر خیال آتا تھا کہ یہ سب کچھ تو حضرت کے ہاتھوں تقسیم ہونا چاہیئے تھا انھوں نے یہ بار ہم جیسے گنہگاروں کے ذمّے ڈال دیا ہے۔۔۔ اندیشہ یہ تھا کہ ہم اس کو احسن طریقے سے انجام بھی دے پائیں گے۔ یا نہیں۔۔۔ یہ سوچ کر ہماری رقّت اور دعا میں شدّت آجاتی۔ ہم اللہ کے سامنے تھے اور اللہ ہی ہماری اُس وقت کی کیفیتوں کا گواہ ہے لیکن دل بیٹھ رہا تھا۔ احساسِ ذمہ داری سے سانس لینا بھی دوبھر تھا۔ آخر وہ وقت آ ہی گیا۔ باہر نکلا، وضو کیا، گاڑی سٹارٹ کی۔ سارا سامان اس میں رکھا اور سب بیٹھ گئے طے یہ پایا کہ آج پہلے گاؤں میں مَیں دلاور کے ساتھ خود امداد تقسیم کروں گا اور اُن

لوگوں کو دیکھ بھی لوں گا۔ گاڑی ہم نے کیلاشش ہوٹل کے سامنے کھڑی کی۔ اور پہلے اُن نو مسلموں کے پاس روانہ ہوا جو ابھی تک کافروں کے درمیان رہتے ہیں جن کے پاس اتنی رقم بھی نہیں کہ وہ اپنا الگ ٹھکانا ہی بنا سکیں اور ان کو مجبوراً اُن کے ساتھ ہی رہنا پڑتا ہے۔ پہلے گھر میں گئے۔ کچھ رقم اور کپڑا دیا۔ تشکر کے آنسو اُس خاتون کی آنکھوں میں صاف نظر آ رہے تھے۔ جس کا خاوند کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ وہ ہماری زبان نہیں سمجھتی تھی اور ہم اُس کی زبان سے نا آشنا تھے لیکن احساسات تو ایک سے ہوتے ہیں۔ دلاور نے اس کی طرف دیکھ کر اوپر کی طرف اشارہ کیا کہ اللہ نے یہ سب کچھ بھیجا ہے۔ اس نے بھی سر اس انداز میں ہلایا کہ وہ سمجھتی ہے۔ ہم آگے روانہ ہوئے۔ ایک بوسیدہ سے کمرے میں ایک بوڑھا شخص کمرے کے درمیان میں آگ جلائے بیٹھا تھا۔ کمرہ دھوئیں سے بھرا ہوا تھا۔ دلاور نے بتایا کہ یہ بوڑھا اپنے خاندان میں اکیلا مسلمان ہے۔ کہیں جا نہیں سکتا اس لیے ان کے

ساتھ رہتا ہے۔ اس کو کپڑے اور پیسے جب دیئے تو اس کے چہرے پر بے یقینی کے تاثرات دیکھے جا سکتے تھے۔ وہ کبھی ہمیں دیکھتا اور کبھی اپنے ہاتھ میں چیزوں کو —— ہم نے دعا کی اور آگے بڑھ گئے۔ میری حالت عجیب ہو رہی تھی۔ آنکھوں کے آگے پانی کی دھند گہری ہوتی جا رہی تھی کہ راستہ بمشکل نظر آتا۔ پاؤں اٹھانا دوبھر ہو رہا تھا۔ آگے بڑھے ایک چھوٹا سا صحن تھا جس میں کچھ جانور تھے۔ سامنے ایک کوٹھڑی سے ایک ادھیڑ عمر شخص برآمد ہوا۔ اللہ نے اس کو بھی اپنے محبوب نبی کا اُمتی بننے کے لیے چُن لیا تھا۔ وہ کفار کے درمیان رہ رہا تھا۔ جن کا اللہ سے کسی قسم کا تعلق نہیں آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہ ہمارے پاس پہنچا۔ دلاور نے اس کو اس کی امانت تھمائی اور بولے یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ میں نے دلاور کا بازو اس زور سے دبایا کہ وہ چونک کر میری طرف متوجہ ہوا۔ میں نے اُس کا دھیان اس بوڑھے کی طرف مبذول کرایا جس نے سامان لیتے ہی ہماری طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا اور اپنے دونوں ہاتھ اللہ رب العزت کی طرف اٹھا دیئے اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ پوچھا جائے پئیں گے؟ ہم نے کہا نہیں اور باہر آ گئے۔ وہ بھی اپنے کام میں لگ گیا۔ ہم آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اب اُن مسلمانوں کے گھروں کی طرف جا رہے تھے جنہوں نے اپنے گھر کافروں سے الگ بنا لیے تھے اور میری نظروں کے سامنے اس بوڑھے شخص کا ایمان تھا۔ اُس نے جس طریقے سے ہم لوگوں کو الگ کر کے بارگاہِ ایزدی میں شکرانے کے طور پر ہاتھ اٹھائے وہ ایسے ہی تھا جیسے اسے اُس کے گھر میں کچھ ملنے کی امید تھی اور جب وہ پوری ہوئی تو ہاتھ اُسی کے آگے اُٹھ گئے۔ اللہ اللہ! یہ کیسے لوگ ہیں۔ غریبی، مفلسی اور کافروں کے درمیان رہتے ہوئے بھی انہوں نے یہ تعلق مع اللہ کیسے حاصل کر لیا۔ نہ اُن کا کوئی استاد ہے اور نہ ہی کوئی پُرسانِ حال۔ یہ آدابِ تشکر ان کو کس نے سکھلا دیئے! کیا یہ صرف کلمہ پڑھنے سے اتنے مراحل طے کر گئے —— بظاہر تو اور کچھ نظر نہیں آتا۔ لگتا تو یہی ہے کہ جو صدقِ دل سے کفر کو رد کر کے اللہ اور اس کے رسول پہ ایمان لے

ہے آئے۔ آدابِ رسولِ پاکؐ کے سینۂ مبارک سے اُن کے سینے میں در آتے ہیں۔ یہ تعلق ہی تو ہے رسولِ پاکؐ سے جو ہر ایک کو مجسّم آداب بنا دیتا ہے۔

ہم چلتے رہے۔ حضرت کی امانت اُن لوگوں تک پہنچتی رہی جن کے ایمان کو بھی صرف حضرت کی بصیرت ہی دیکھ سکی اور ان کی مدد کرنے میں تاخیر برداشت نہ ہو سکی۔ خود مصروفیت کی بنا پر نہ آ سکے تو ہم جیسے کم ہمت لوگوں کو اپنی دعاؤں کے سائے میں اس عظیم مشن پر بھیج دیا۔ مَیں چند اور گھروں میں گیا پھر مریض دیکھنے کے لیے واپس آگیا۔ سعید، سکندر اور دلاور جب باقی کام ختم کر کے لوٹے تو اُن کی رپورٹ مختلف نہ تھی۔ جو مَیں اوپر بیان کر چکا ہوں۔ کافی دیر مریض دیکھنے کے بعد ہم نے سب لوگوں سے مصافحہ کیا کہ صبح ہم نے واپس جانا تھا۔ جو دوائیاں باقی بچیں وہ ڈسپنسر کے حوالے کیں جو بضد تھا کہ ہم ہسپتال میں مریض دیکھیں لیکن ہم نے اُس سے وعدہ کیا اگلی دفعہ آئے تو ہسپتال میں ڈیرہ ڈالیں گے۔

رات اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ فریضہ مکمل ہُوا۔ مریضوں کا علاج بھی ہوا اور مسلمانوں کی تالیفِ قلوب کے لیے بھی اللہ نے گھر گھر جا کر خدمت کا موقع دیا۔

آج ۳۰ نومبر ہے۔ جس جگہ ہم ٹھہرے ہوئے ہیں اُسی کو گورنمنٹ نے بلدیاتی انتخابات کے لیے پولنگ اسٹیشن بنا دیا ہے۔

۹ بجے کے قریب ہم وادیٔ بمبریت سے روانہ ہوئے اور ظہر کے وقت ہم میرکھنی پہنچے۔ آسمان بادلوں سے ڈھکا ہُوا ہے۔ اور لواری ٹاپ جس پر سے گزر کر ہم نے واپس جانا ہے برفباری کی زد میں ہے۔ فیصلہ یہ ہوا کہ صبح کو نماز کے بعد ایک کوشش کی جائے گی۔ اگر اللہ کو منظور ہُوا تو گزر جائیں گے ورنہ کوئی دوسری راہ اختیار کریں گے۔

یکم دسمبر ۸۶ء صبح تہجد اور ذکر سے فارغ ہو کر نمازِ فجر ذرا جلدی پڑھی اور جیپ میں بیٹھ کر واپسی کے لیے روانہ ہوئے۔ آسمان اب بھی بادلوں سے ڈھکا ہُوا تھا اور موسم بہت ہی خراب۔ ہلکی ہلکی بارش بھی شروع تھی۔ مجھے آج سے ایک ماہ پہلے کا وقت یاد آیا جب حضرت دامت برکاتہم کے ساتھ ہم دورۂ چترال کے بعد واپس جا رہے تھے۔

ایسا ہی موسم تھا۔ لیکن اسٹیئرنگ حضرت ا کے ہاتھوں میں تھا اور لواری ٹاپ کے پیچ و تاب اور خراب سڑک ہماری رفتار پر اثر انداز نہ ہو سکے اور برق رفتاری سے یہ چوٹی عبور کر کے ہم وادیٔ دیر میں داخل ہو گئے تھے۔ ویسے تو ہم دورانِ قیام تمام وقت اللہ کی طرف ہمہ تن متوجہ رہے لیکن آج خدا کچھ زیادہ ہی یاد آیا دلاور تو گاڑی کے پیچھے بیٹھے پوری قوت سے ذکر میں مشغول ہو گئے اور ہم بھی ڈرائیونگ کے ساتھ ساتھ متوجہ الی اللہ رہے۔ کوئی دو میل کے بعد برفباری شروع ہو گئی۔ دل میں خیال آیا کہ ٹاپ پر کیا حال ہو گا؟ مزید ایک میل کے بعد ٹرکوں کے ہوٹل آتے۔ گاڑی کھڑی کی، اور سعید کو نیچے بھیج کر صورتِ حال کا پتہ کیا۔ یہاں پر تقریباً چھ انچ برف پڑ چکی تھی۔ سعید نے واپس آکر بتایا کہ آگے جانا محال ہے۔ کچھ لوگ جو آگے گئے تھے اُن سے معلوم ہوا کہ اوپر فٹوں کے حساب سے برف پڑ چکی ہے اور یہ لواری ٹاپ ہے اور موڑ انتہائی خطرناک اگر جان کی سلامتی چاہتے ہو تو واپس ہو جاؤ اُن کی بات کو دل نے فوراً مان لیا کیونکہ وہ اہم موڑ میں پہلے حضرت کے ساتھ دیکھ چکا تھا

جو ۱۰۵۰۰ فٹ بلند لواری ٹاپ تک رسائی سے قبل آتے ہیں اور ہم ابھی پہلے موڑ سے بھی کوئی ایک میل پیچھے تھے۔ تھوڑی دیر رُک کر برفباری کا نظارہ کیا اور انتہائی بے بسی کی حالت میں واپسی کا سفر شروع کیا۔ تقریباً دس بجے واپس میر کھنی پہنچے۔ یہاں پر اگر سجاد صاحب کا ذکر نہ کیا جائے تو زیادتی ہو گی۔ یہ ایسا اللہ کا بندہ ہے جس نے مہمان نوازی کے انداز گویا صحابہ رضؓ سے براہِ راست سیکھے ہیں۔ ہر مہمان ان کے لیے خاص مہمان ہوتا ہے اور جب حضرت جیؒ اور حضرت مدظلہ العالی کی باتیں شروع ہو جائیں تو پھر وقت کے گزرنے کا احساس نہیں رہتا ــــ کچھ اسی مرض کا شکار میں بھی ہوں۔ اِس لیے پہروں باتیں کرتے اور ان ہستیوں کے مختلف پہلو جن سے ہم واقف تھے ایک دوسرے کو بتانے میں گزر جاتے جتنا درد اس شخص کے قلب میں ہے اللہ ہم سب کو عطا فرمائے۔ بارہ بجے کے قریب تھوڑی دیر آرام کے لیے جب میں بستر پر لیٹا تو طرح طرح کے خیالات ذہن پر حاوی ہو گئے۔ جیپ واپس لے جانی تھی۔ اب

اِس کی کوئی صورت چھ ماہ تک نظر نہ آتی تھی۔ دلاور کو بھی واپس ضروری جانا تھا۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق تھا یا سعید کا تو اس کا مجھے فکر نہیں تھا کہ اللہ کے فضل سے ہم فارغ تھے لیٹے لیٹے ان ہی سوچوں میں دھیان حضرت دامت برکاتہم کی طرف گیا پھر جیسے کسی نے آنکھوں کے سامنے سے پردے ہٹا دیئے۔ ہر بات واضح ہونے لگی اور تھوڑی دیر میں ہی مَیں اطمینان کی نیند سو گیا۔ ظہر کے وقت اٹھا، نماز پڑھی، کھانا کھایا، سب بیٹھے ہوئے تھے تو میں نے وہی بات جو سونے سے قبل دل میں سما گئی تھی، اُن کے گوش گذار کی۔ مَیں نے عرض کیا کہ ہم کو حضرت نے ایک فریضہ سونپا تھا۔ جس کو ہم نے اپنی سمجھ کے مطابق ادا کیا لیکن اس میں کمی رہ گئی جس کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالےٰ نے ہمیں مزید وقت دیا ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس کمی کے ازالہ کا موقع فراہم کیا ـــــ سب میری طرف دیکھنے لگے ـــــ وہ کمی کیا تھی کہ ہم نے ان کی مالی امداد بھی کی، علاج معالجہ بھی کیا ـــ لیکن ان کی روحانی صحت کا خیال نہ کیا۔ ان کو وہ دوا یا وہ غذا نہ بتا سکے جو ہماری

عدم موجودگی میں بھی ان کو روحانی طور پر طاقتور اور توانا رکھ سکے۔ اُن کو حضرت رح کی وہ امانت نہ پہنچا سکے جس کو لیے ہوئے حضرت رح نے قریہ قریہ سفر کیا اور جس کے امین اس دور میں صرف حضرت مولانا محمد اکرم دامت برکاتہم ہی ہیں۔ یہ حق تھا اُن لوگوں کا جن کے درمیان ہم رہے کہ یہ دولت بھی اُن میں تقسیم کرتے۔ تاکہ اُن کی روحوں کو وہ قوّت پہنچتی جس کے طفیل وہ ان کافروں کے درمیان رہتے ہوئے بھی کامل درجہ کا ایمان رکھتے ہیں۔ برکاتِ نبویؐ جس کے حضرت مدظلہٗ امین ہیں اُن تک پہنچاتے اور ان کو طریقۂ ذکر تعلیم کرتے تاکہ وہ بھی اپنے لطائف منوّر کر سکیں۔ اور پھر یہ روشنی اپنے اُن عزیزوں، رشتہ داروں تک پہنچا سکیں جو ابھی تک مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے۔ اس کا منطقی جواز بھی ہے، ہم سب اپنا محاسبہ کریں۔ کیا کسی کا مقصد سوائے اللہ کی رضا کے کوئی اور بھی تھا۔ اس سفر کے لیے تو سب نے کہا، نہیں ؛ مَیں نے اپنے دل کو ٹٹول ٹٹولا پھر کرید لیکن سوائے اللہ کی رضا کے اس سفر کا کوئی اور مقصد نہ تھا۔ تو مَیں نے کہا جب ہم آئے

خالصتاً اللہ کی خوشنودی کے لیے ہیں اور وہ فریضہ جو ہمیں سونپا گیا ہے اس کو پورا کرنے کے لیے تو پھر اللہ کی مدد ہمارے ساتھ ہونی چاہیئے اور اللہ کا فضل سابقہ ہے۔ ہم نے قدم قدم پر دیکھا کہ مشکلیں ہمارے لیے آسان ہوگئیں اور سجادہ صاحب کے وہ الفاظ مجھے نہیں بھولتے جب مَیں نے اُن کو آکر یہ رپورٹ دی تو انہوں نے کہا کہ "آپ لوگوں نے مہینوں کا کام چند دنوں میں کیا ہے۔" مَیں نے عرض کیا کہ یہ حضرت کی خصوصی توجہ تھی اور اللہ کی مدد۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ مدد ہم کو بمبرکھنی میں کیوں نصیب نہ ہوئی! موسم بھی تو اللہ کے ہیں۔ اللہ قادر ہے۔ موسم صاف کردے اور ہمیں گذرنے دے۔ اور اگر موسم خراب ہو ہی گیا ہے تو ہم نے فریضہ میں کوتاہی کی ہے۔ اس لیے اللہ تبارک تعالیٰ کی مدد غیب سے خراب موسم کی صورت میں ظہور پذیر ہوئی کہ جاؤ ابھی کام باقی ہے۔ اصل کام تو ابھی ہُوا نہیں۔ جو درد حضرت ساری دنیا میں تقسیم فرما رہے ہیں وہ تو ابھی تقسیم کرنا باقی ہے۔

مَیں نے امیرِ قافلہ کی حیثیت سے نیا پروگرام ترتیب دیا۔ دلاور صاحب واپس ہوائی جہاز پر چلے جائیں گے۔ سکندر بھی بیرکھنی میں رہ جائیں۔ مَیں اور سعید واپس دادی بمبریت جائیں اور رجب تک یہ فریضہ ادا نہیں ہوتا وہیں رہیں۔

۲ر دسمبر ۱۹۸۷ء کو ہم ناشتہ کے بعد بمبریت چل پڑے۔ اب مَیں تھا اور سعید — ہر ہر قدم پر اللہ اللہ سے دعائیں مانگیں۔ ۱۹ر دسمبر تک ہم اُس علاقے میں رہے۔ اِن دنوں میں اللہ نے ہم سے کیا کام لیا اور ہم کہاں تک اس کے قابل تھے، کہاں تک اس کی اہلیت رکھتے تھے ہمیں کچھ اندازہ نہیں۔ ہمارا قیام کندھیار میں رہا۔ صبح تہجد کے معمول سے فارغ ہو کر برف کے اوپر چلتے ہوئے تقریباً پون میل کی مسافت طے کر کے نومسلموں کی مسجد میں فجر پڑھتے۔ فجر کے بعد ان کو لطائف کرواتے۔ لطائف کے بعد بیان ہوتا۔ بیان کے بعد پھر لطائف ہوتے اور عصر کے وقت پھر ملنے کے لیے جُدا ہو جاتے۔ عصر پڑھ کر پھر بیان و ذکر ہوتا اور مغرب پڑھ کر ہم واپس آجاتے۔

سارا دن مَیں ہسپتال میں مریض دیکھتا اور سعید مختلف گاؤں میں ایک ایک دو دو لوگوں کو جمع کر کے ذکر کراتا۔ اللہ اس کی کوششوں

کو قبول فرمائے۔ میں اس دوران میں کافروں کے ساتھ رابطہ بڑھاتا رہا۔ تاکہ انہیں قریب سے دیکھا جاسکے ۔۔ میرا مشاہدہ یہ ہے کہ انتہائی سادہ لوگ ہیں۔ پورے علاقے میں چوری کی کوئی واردات نہیں ہوئی۔ قتل کبھی نہیں ہوا۔ انتہائی شریف النفس لوگ ہیں۔ اور اگر ذرا انسانوں والا سلوک ان کے ساتھ کیا جائے تو مائل بہ اسلام بھی ہیں ۔۔ دو تنظیمیں وہاں کام کر رہی ہیں۔ ایک عیسائی، دوسرے یہودی ۔۔ عیسائی اپنا پرانا طریقہ کار اپنائے ہوتے ہیں۔ ان کے ڈاکٹر آتے ہیں۔ ساتھ دوائیاں ہوتی ہیں اور مالی امداد۔ پورے گاؤں کے گاؤں میں سے ایک ایک دو دو آدمی چن لیتے ہیں۔ ان کو خرید کر عیسائی بناتے ہیں اور پھر اپنے ادارے میں جو کہ فیصل آباد اور ٹیکسلا میں ہیں، بھیج دیتے ہیں۔ اب تک تقریباً دس کافروں کو لے جاچکے ہیں چند کی ادھر عیسائی لڑکیوں سے شادی کردی ہے جو زیادہ مستعد ہیں کو واپس بھیج دیں کی اشاعت کا کام لیتے ہیں۔ ان کو انہوں نے ہوٹل بھی تعمیر کرکے دیئے ہیں اور جیپیں بھی دی ہیں جنہیں دیکھ کر باقی لوگ متاثر ہوتے ہیں۔

یہودی بالکل اپنا انداز رکھتے ہیں۔ میری وہاں قیام پذیر یہودیوں سے بالمشافہ بات چیت ہوئی۔ تھوڑی سی ڈپلومیسی مجھے بھی کرنا پڑی۔ لیکن ان کا مقصد پوری طرح جاننے میں ناکام رہی۔ ان کا دباؤ شاید براہ راست حکومت پر ہو۔ یہ کہ کیلاشوں کی تہذیب ختم ہو رہی ہے۔ اس لیے باقی جو ہیں ان کو مسلمان نہ ہونے دیا جائے۔ اس کے علاوہ وہ اخلاق تباہ کرنے کے بادشاہ ہیں۔ وادی بمبریت میں کیلاش ہوٹل میں ڈبل جنریٹر چل رہا ہوتا ہے، پورے ہوٹل میں کوئی بلب لگایا ہی نہیں گیا۔ لیکن ایک بڑے کمرے میں رنگین ٹی وی اور وی سی آر رکھا ہے وہ چل رہے ہیں۔ اور جو بیہودہ فلم ہے وہ دکھائی جارہی ہے۔ ایک دن اتفاقاً ادھر جانے کا اتفاق ہوا تو لوگوں سے پوچھ گچھ پر پتہ چلا کہ اس پر الگ الگ شو چلتے ہیں اور اب ان میں مسلمانوں کی تعداد بھی بڑھ رہی ہے ۔۔ یہ پرانا طریقہ یہودی ہے اس کے مقابلے میں کچھ مسلمان تنظیمیں بھی وہاں مالی امداد وغیرہ کر رہی ہیں۔ ان میں صدیقی ٹرسٹ والے پیش پیش ہیں۔ اور

ہی ہیں لیکن انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان کی امداد حقداروں کو نہیں پہنچتی جو بندہ انہوں نے تقسیم پر لگا رکھا ہے وہ تقسیم پر یقین ہی نہیں رکھتا۔ یہ بات میں سارے علاقے میں پھر کر نومسلموں سے پوچھ کر اور خود اس شخص سے ملنے کے بعد لکھ رہا ہوں۔

قطعاً کوئی چیز غریبوں تک نہیں پہنچتی۔ جس دن ہم دوبارہ وہاں پہنچے۔ میں نے نومسلموں کو پیغام بھجوا دیا کہ عصر کے وقت آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں آپ لوگ عصر مسجد میں آکر ادا کریں۔ عصر کے وقت تقریباً تمام لوگ وہاں جمع تھے۔ نماز کے بعد حجرہ میں بیٹھ کر جو پہلی بات میں نے اُن سے کی وہ یہ تھی کہ ہم آپ کی جو مالی امداد ہے اسے جاری رکھنا چاہتے ہیں اس کے لیے بہترین طریق کار کیا ہے۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ جو طریقہ آپ نے اس دفعہ اپنایا ہے یہ سب سے بہتر ہے۔ کم از کم ہمیں کوئی چیز مل تو ہے اور اگر یہ مشکل ہے تو پھر اپنا ایک سٹور یہاں بنائیں اور اپنا آدمی یہاں بٹھائیں جو تقسیم کرے۔ وہ کسی کو زیادہ دے یا کسی کو کم ہمیں اعتراض نہ ہو گا۔ لیکن اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ کار منصفانہ نہ ہو گا۔

اکثر نے یہ بھی کہا کہ ہم امداد پر گذارہ نہیں کرنا چاہتے۔ یہاں وسائل نہیں ہیں۔ اگر آپ ہمیں پنجاب میں کوئی ملازمت دلوا دیں تو ہم بخوشی کام کر کے اپنا پیٹ پالنا پسند کریں گے۔ جتنے نوجوان تھے، ان سب کی یہی رائے تھی۔ کہ ہمیں کوئی کام دے دیں ہم وہ کریں گے اور جب واپس یہاں لوگوں سے ملنے آئیں گے تو جو کیلاش ہیں وہ ہماری حالت دیکھ کر ضرور متاثر ہوں گے۔ میں نے اُن سے وعدہ کیا کہ اس بارے میں ضرور کوئی پیش رفت ہو گی۔۔۔ اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ "ہم نے آپ لوگوں کو جو امداد دی ہے یہ آپ کا ہم پر حق تھا۔ پھر جو علاج معالجہ کیا یہ بھی آپ لوگوں کا ہم پر حق تھا۔ اس کے علاوہ بھی آپ لوگوں کا ہم پر ایک حق تھا جو ہم ادا نہ کر سکے اور اللہ نے ہمیں واپس بھیج دیا کہ وہ چیز آپ تک پہنچائیں۔ وہ ہیں برکات نبوی ؐ ۔۔۔۔ جب آدمی کلمہ پڑھ لیتا ہے تو سب سے پہلے اللہ کے سوا ہر معبود کی نفی کرتا ہے اور جب رسولِ پاک ؐ کی رسالت کا اقرار کرتا ہے تو اس کو ایک تعلق رسولِ پاک ؐ سے نصیب ہو جاتا ہے جس کے توسط سے اس کے

دل میں برکات آجاتی ہیں جو ایمان کا حصہ ہیں
ان برکات کا تعلق رسولِ پاکؐ کی ذات سے ہے۔
اور تقسیم وہیں سے ہوتی ہے۔ اس لیے جو بھی
اسلام قبول کرتا ہے اس کو اچھی طرح سے
جان لینا چاہیے کہ اس کا تعلق اُس ہستی
سے ہے جس کی رسالت کا اس نے اقرار کیا
ہے اور اس کو وہی کرنا ہے جو وہ ہستی فرماتی
ہے۔ اور یہ ایمان ہی کی قوت ہے کہ آپ لوگ
یکسر بدل جاتے ہیں۔ کافر اور مسلمان کی زندگی میں
بنیادی فرق مقصد کا ہوتا ہے۔ کافر کی زندگی
کا مقصد دنیا تک محدود ہے۔ اس کی سوچ
دنیاوی زندگی سے آگے نہیں جاتی۔ جب آپ
اسلام قبول کر لیتے ہیں تو مسلمانوں کی صف میں
شامل ہو جاتے ہیں اور مسلمان کی زندگی کا
مقصد بہت بڑا ہے۔ اس کا ایمان آخرت
پر ہوتا ہے۔ وہ جو کچھ بھی اس زندگی میں
کرتا ہے، اس قرینے سے کرتا ہے کہ ساتھ
ساتھ آخرت بھی سنورتی جائے۔ اور اگر
کوئی اس میں کسی حد تک کامیاب ہو جاتا
ہے کہ اپنی زندگی اسلام کے مطابق گزار
سکے تو پھر اس کا مقصد دوسروں کو بھی اس
طرف لانا ہو جاتا ہے۔ وہ پھر دوسروں

کی فکر کرتا ہے اور یہ بات اُس وقت
آسان ہو جاتی ہے جب اُس کی رُوح میں
طاقت ہوتی ہے۔ پھر وہ اللہ کی مدد کے
ساتھ چلتا ہے اور جس کے ساتھ اللہ ہو وہ
سب سے طاقتور ہے۔ اب اللہ کیسے ہمارے
ساتھ ہو اس کے لیے برکاتِ نبویؐ حاصل
کرنی چاہئیں۔ اللہ کا ذکر کرنا چاہیے اور دل
میں انوارات اخذ کرنے چاہئیں جو قلب کو
قوت بخشتے ہیں۔ اس کے بعد طریقۂ ذکر
بتایا اور دعا کی کہ اے اللہ ان کے دلوں کو برکات
نبویؐ کی روشنی عطا فرما۔ ذکر شروع ہوا۔
یہ لوگ اتنی دلجمعی سے ذکر کر رہے تھے، کہ
دارالعرفان یاد آ گیا۔ بالکل وہی سماں تھا۔
ایک ساتھ سانس اندر اور ایک ساتھ باہر۔
اور اللہ ھُو کا سحر آہستہ آہستہ سب پر
طاری ہونے لگا۔ ذکر ختم ہوا۔ دعا ہوئی۔
صبح فجر کے بعد دوبارہ ذکر کا وقت طے ہوا۔
نمازِ مغرب پڑھی اور واپس کندھیسار کی
طرف روانہ ہوئے۔ ساتھ میں ایک نومسلم
بھی تھا جو اس سے آگے تقریباً آدھ میل دُور
رہتا تھا۔ اس نے یہ سارا سفر برف کے
اوپر شدید سردی میں کرنا تھا لیکن وہ خوش تھا

پھر لوگ دُور و نزدیک سے آتے رہے۔ ذکر ہوتا رہا اور ان کی لگن دیکھ کر دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرتا کہ ہم رُک گئے ورنہ ان لوگوں کی کتنی حق تلفی ہوتی کہ دنیا تو بانٹ جاتے اور جو اصل چیز تھی وہ دیے بغیر ہی ہم واپس چلے جاتے۔ بعد میں کندھیبسار کی جامع مسجد والوں نے بیان کے لیے کہا۔ سعید نے علاقے کی دوسری مساجد میں حلقۂ ذکر قائم کیا۔ غرض اللہ کے خصوصی احسان کے ساتھ ہم یہ امانت لوگوں میں بانٹتے رہے۔

کندھیبسار کیونکہ سارا مسلمانوں کا گاؤں ہے اور کافی بڑا ہے اس لیے وہاں کی جامع مسجد میں علمائے حضرات کی بھی کمی نہیں ہے۔ آنے سے پہلے جب انہوں نے بیان کے لیے دعوت دی تو دل میں خیال آیا کہ مَیں تو ساری عمر ڈاکٹری پڑھتا رہا خدانخواستہ منہ سے کوئی بات غلط نکل گئی تو بات بہت دُور تک پہنچے گی۔ جسم پر کپکپی طاری ہو گئی لیکن انہوں نے اصرار کیا۔ سعید کو صبح نومسلموں کی مسجد میں بھیج کر مَیں جامع مسجد کی طرف روانہ ہُوا۔ نمازِ فجر ادا کی اور ساتھ گرم حجرہ میں آ بیٹھا۔ سب لوگ بھی بیٹھے تھے۔ دل ہی دل میں اللہ سے دعا کی کہ اگر اس مقام پر بٹھا ہی دیا ہے تو عزت بھی رکھنا۔ بیان شروع کیا تو سورہ التین کی آیات مبارکہ زبان پر آ گئیں "لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ" چلتے چلتے بات حدیثِ جبریل پر پہنچی اور درجۂ احسان پر ختم ہوئی۔ مَیں نے حاضرین سے گذارش کی جہاں آپ میں بہت سی خوبیاں ہیں آپ تہذیب سے دُور رہ کر اس کی قباحتوں سے محفوظ ہیں۔ آپ سادہ اور سیدھے سادے مسلمان ہیں۔ اللہ آپ کی حفاظت فرمائے۔ اس کے ساتھ درجۂ احسان حاصل کرنے کی سعی کریں کہ اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوتا۔ خطرہ رہتا ہے۔ جب یہ حاصل ہو جائے تو پھر اشکال نہیں رہتا انسان خود دیکھ لیتا ہے۔ تو کوشش کریں کہ ایسا انسان مل جائے جو اسی درجۂ احسان کو بانٹتا ہو جس کے پاس بیٹھنے سے انوارات الٰہی سینے میں اُتر سکیں اور اگر ایسا کوئی شخص مل جائے تو پھر اس کے ساتھ چمٹ جائیں کیونکہ وہ سونے کا بیوپاری ہے، سونا مفت تقسیم کرتا ہے اور اس کے مقابلے میں دنیا بھر کی چیزیں مٹی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں۔

بیان ختم ہُوا تو مَیں پسینے میں بھیگا ہُوا تھا بیان کے دوران ہی جیکٹ بھی اتار دی تھی۔ سارا جسم ایسے تھا جیسے تپ رہا ہو۔ یہی سوچ رہا تھا کہ اتنی سردی میں میرے ساتھ کیا ہُوا؟۔ جب سمجھ میں کچھ نہ آیا تو لوگوں کی طرف متوجہ ہُوا۔ سب دم بخود بیٹھے ہوئے تھے۔ زیادہ تر لوگ اُردو سمجھتے تھے۔ کچھ لوگ کافی واقف ہو چکے تھے لیکن سب سر جھکائے ہوئے بیٹھے ہوئے تھے۔ امام مسجد ایک شفیق بزرگ شخصیت تھی۔ اُٹھے اور میرے پاس آکر بیٹھ گئے بولے: "بیٹا! آج سے بہت پہلے درجۂ احسان پہ بات سُنی تھی اُس وقت کان نہ دھرا۔ پھر ساری عمر تعلیم و تعلّم میں گذر گئی۔ بوڑھا ہو گیا ہوں لیکن درجۂ احسان پر دوبارہ گفتگو نہ سُنی نہ کی۔ آج تمہاری زبان سے سُنا ہے۔ میرا یقین ہے کہ اس موضوع پر صرف وہی بول سکتا ہے جس کے پاس یہ چیز ہو۔ اس کی قدر و قیمت وہی جانتا ہے جو اس کو اخذ کر چکا ہو۔"

سب لوگ دھیرے دھیرے پاس آگئے۔

میرا جسم میرا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ بالکل ایسے ہی تھا کہ کسی مریض کو آپ کھینچ کر دوڑاتے رہیں اور جب چھوڑ دیں تو اس میں بیٹھنے کی سکت بھی نہ رہے۔ مَیں کوئی دیوار تلاش کر رہا تھا۔ ٹیک لگانے کے لیے بہت تھک گیا تھا۔ صرف یہی کہہ سکا وہ ہستی انشاءاللہ اگلے سال آپ کے پاس آرہی ہے۔ جو ان انوارات کو بانٹتی ہے۔ مَیں تو کچھ بھی نہیں۔ بات آج بھی ان ہی کی ہے۔ میری زبان تو وسیلے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔

اگلے دن ہم جبزال کے لیے روانہ ہوئے تھوڑے تھوڑے بادل تھے۔ سعید کہنے لگا شاید جہاز نہ آئے۔ لیکن میرے دل نے کہا، اب کام مکمل ہو گیا ہے سلسلہ عالیہ کا تعارف پوری وادی میں ہو چکا ہے اس لیے جہاز ضرور آئے گا۔ وہی ہُوا اگلے دن ہم صبح آٹھ بجے جہاز میں بیٹھے عازم پشاور تھے۔ ایرپورٹ پر سجاد صاحب کا اُداس چہرہ اب بھی نظروں کے سامنے ہے اور جہاز فضا میں بلند ہو کر برف پوش پہاڑوں پر سے گذر رہا ہے۔

"المرشد" کے ساتھ تعاون
آپ کا دینی فریضہ ہے۔

اتحاد بین المسلمین

(پروفیسر حافظ عبدالرزاق)

کسی معاشرہ میں مختلف افراد کے درمیان اختلاف رائے ہونا ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کسی ایک ہی چیز کی دو مختلف راہیں ہو سکتی ہیں لیکن جس چیز کے اچھا یا بُرا ہونے کا فیصلہ خود خالقِ کائنات دے دے اس سے اختلاف کی صورت صرف ایک ہی ہو سکتی ہے کہ انسان کا اپنے خالق سے تعلق کٹ چکا ہو تو یہ حرکت کر سکتا ہے۔

اتحاد بین المسلمین صرف غیر متنازعہ فیہ ہی نہیں بلکہ اسے تو اللہ کریم نے اپنی نعمت قرار دیا ہے اور ایسی نعمت کہ اسے یاد رکھنے کی تاکید کی ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا

یعنی "اے اہلِ ایمان ذرا وہ وقت تو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کی جان کے درپے تھے — پھر اللہ نے تمہارے دلوں کی دنیا میں وہ انقلاب پیدا کیا کہ باہمی نفرت کی جگہ تمہارے دلوں میں محبت بھر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تم مختلف قبائل سے تعلق رکھنے کے باوجود آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔"

سوال یہ ہے کہ اتحاد کی یہ نعمت کیا پہلی دفعہ عرب میں تقسیم ہوئی؟ نہیں بلکہ انسان نے جب اس کرۂ ارض پر بسنا شروع کیا تو یہ نعمت اسے اسی وقت عطا ہوئی۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً

یعنی ابتدا میں لوگ ایک ہی اُمت تھے اور اُمت اسے کہتے ہیں جس کے افراد کے نظریات ایک ہوں، مقصدِ حیات ایک ہو، طریق کار ایک ہو۔

جب بنیادی طور پر سب انسان ایک امت تھے تو پھر ان میں اختلاف اور باہمی مخالفت کب اور کیوں پیدا ہوگئی۔۔۔ اسی کتاب سے جواب ملتا ہے کہ جب بعض لوگوں نے خالق کی طرف سے آئی ہوئی ہدایات سے اختلاف کرنا شروع کردیا تو ان کے دل کی دنیا بھی بدل گئی۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اتحاد کی بنیاد ایمان ہے۔۔۔ اور اس حقیقت کو اللہ کریم نے واشگاف الفاظ میں بطور ایک اصول کے بیان فرمادیا کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ . . . . کہ صرف اہلِ ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔۔۔ میرا خیال ہے کہ اسی بناء پر اس مذاکرے کا عنوان اتحاد بین المسلمین رکھا گیا ہے۔ اتحاد بین المسلمین یا اتحاد بین المسلمین والکافرین نہیں رکھا گیا۔ اس کی وجہ اس کے بغیر کیا ہوسکتی ہے کہ باقی دونوں صورتیں ممکن ہی نہیں۔ لہٰذا اس اتحاد کی ضرورت ہے جس کی بنیاد صرف ایمان ہو۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا اتحاد فی نفسہٖ مقصد ہے یا کسی اور مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے؟۔ اگر اتحاد ایسی بابرکت شے ہے کہ وہ فی نفسہٖ مقصد ہے تو چوروں کا اتحاد، ڈاکوؤں کا اتحاد جرائم پیشہ لوگوں کا اتحاد بھی معاشرے کے لیے بابرکت اور اللہ کی بہت بڑی نعمت ہونا چاہیے۔ مگر ایسا کہنے کے لیے کوئی باہوش انسان تیار نہ ہوگا۔۔۔ تو پھر اتحاد کی وہ کونسی قسم ہے جو بابرکت بھی ہے اور اللہ کی نعمت بھی ہے اور وہ مقصد کونسا ہے جس کے لیے اتحاد ایک ذریعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔۔۔ اس کی نشاندہی کرتے ہوئے ایک   نے کہا ہے

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

اس سے ایک حقیقت کا سُراغ ملتا ہے کہ جب تک "حرم کی پاسبانی" مقصدِ حیات نہیں بنے گا۔ مسلمانوں میں اتحاد ہو ہی نہیں سکتا۔ اور جب حالت یہ ہے کہ وہ قوم جو اپنے رب سے چلّا چلّا کر یہ عہد کرچکی کہ پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الّا اللہ۔۔۔ وہ چالیس برس گذر جانے کے باوجود اس رُخ پر قدم اٹھانے کی جگہ لا الٰہ الّا اللہ کے رستے میں خود پہاڑ بن کر کھڑی ہوگئی ہے۔ یقین نہ آئے تو شریعت بل کی

سرِ بازار رُسوائی کی تاریخ کا مطالعہ کرلو۔ جب "حرم کی پاسبانی" کے سلسلے میں مسلمانوں کا یہ رویّہ ہے تو ان میں اتحاد کیسے پیدا ہو۔ شرط اور جزا آپس میں لازم و ملزوم ہُوا کرتے ہیں۔

دوسری وجہ عدمِ اتحاد کی یہ ہے، کہ اتحاد بین المسلمین پیشِ نظر ہی نہیں بلکہ اتحاد بین المسلمین والکافرین درکار ہے محض ایکٹنگ کے لیے نام اتحاد بین المسلمین رکھ دیا گیا ہے۔ اور یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ جس کا نام مسلمانوں جیسا ہو وہ مسلمان ہے۔ حالانکہ مسلمان تو موصوف ہے جس کے لیے صفت اسلام لازمی ہے۔ اور اسلام کیا ہے؟ اس کے دو حصّے ہیں۔ اوّل عقائد۔ دوم اعمال عقا

عقائد میں صرف وہ فہرست شامل ہے جو داعئ اسلام صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دی۔ ان میں اتحاد شرط اوّل ہے۔ مثلاً اسلام کے دائرہ میں لانے کے لیے حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم جو اقدام فرمایا کرتے تھے وہ ہے کلمہ کی تلقین۔ جس نے اس پر یقین کرلیا اور اقرار کرلیا وہ اسلام کے دائرے میں آگیا۔ مگر اب مطالبہ یہ ہے جو لوگ محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اس بنیادی اقدام سے شدید اختلاف کرتے ہوئے اپنا کلمہ بھی نیا ایجاد کرچکے ان کے ساتھ بھی اتحاد کرو اور اسے اتحاد بین المسلمین سمجھو۔ یہ دین کے ساتھ مذاق اللہؐ ورسولؐ کی توہین نہیں تو اور کیا ہے۔

پھر عقائد میں سر فہرست اللہ کی کتاب ہے۔ اسی کی تعلیمات کے مطابق توحید رسالت آخرت کے عقائد اپنانے سے انسان اسلام میں ترقی کرتا جاتا ہے جو لا الٰہ الّا اللہ محمّد رسول اللہ پڑھ کر اس نے قبول کیا تھا۔ اور جہاں عقیدہ یہ ہے کہ اللہ کی وہ کتاب جو محمد رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) پر نازل ہوئی کسی انسان نے دیکھی ہی نہیں ــــ اور یہ کتاب جو مسلمان سینے سے لگائے بیٹھے ہیں، یہ جعلی اور انسانوں کی ایجاد کردہ ہے۔ ان کے ساتھ اتحاد کو اتحاد بین المسلمین کہیں گے۔ یہ تو نری ایکٹنگ اتحاد کی۔ نہ کوشش ہے نہ اتحاد مقصد ہے۔

اس سلسلے میں اتحاد کی جو صورت ہے وہ خالق نے خود بنادی کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا
الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا

یقربوا المسجد الحرام
بعد عامہم ھذا ۔۔۔ یعنی
اے اہلِ ایمان! مشرک نجس ہیں انہیں مسجدِ
حرام کے قریب بھی نہ آنے دو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:
یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا
اولیاء
تلقون الیہم بالمودۃ
وَقَدْ کَفَرُوْا بِمَا جَآءَکُمْ
مِنَ الْحَقِّ ۔ یعنی

اے اہلِ ایمان! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت سمجھو۔ تم ان کی طرف محبت کا ہاتھ بڑھاتے ہو۔ حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جو اس کتاب کا انکار کر بیٹھے جو تمہارے پاس اللہ کی طرف سے حق کے ساتھ پہنچی ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا تو اتحاد سے خود روک رہا ہے۔ ہاں واقعی! مگر وہ اتحاد بین المسلمین سے نہیں روک رہا بلکہ اتحاد بین المسلمین والکافرین سے بچنے کا حکم دے رہا ہے۔ اس کی حقیقت یوں سمجھیے کہ اگر کسی کے پیارے بچے کو ٹی۔بی ہو جائے تو ڈاکٹر ہدایت کرتا ہے کہ اسے پیار کرنے، چُومنے اور اس کے سامنے بیٹھنے سے پرہیز کرو۔ کیونکہ اس کے سانس لینے سے ٹی۔بی جراثیم تمہیں بھی پہنچ جائیں گے۔۔۔ اب بتایئے کیا آپ ڈاکٹر کو محبت و اتحاد کا دشمن قرار دیں گے ہرگز نہیں۔ بلکہ ڈاکٹر کو اپنا حقیقی خیرخواہ سمجھیں گے۔۔۔ تو یہاں یہ اصول کیوں بھلا دیا جاتا ہے، کیا اللہ تعالیٰ کو ڈاکٹر سے بھی مہارتِ فن میں کم سمجھتے ہو۔

کون بتائے کہ جسمانی ٹی بی کا اثر زیادہ سے زیادہ موت تک ہے مگر عقائد کی ٹی۔بی تو قبر میں برزخ میں قیامت میں کہیں بھی آرام نہ لینے دے گی۔ پھر جب تمہیں اس ٹی۔بی سے بچنے کے لیے کہا جاتا ہے تو تم صرف ایکٹنگ کرتے ہوئے طرح طرح کے رُوپ دھارتے ہو۔

جہاں تک اتحاد بین المسلمین کا تعلق ہے اس کا فقدان محض غلط فہمی کی بناء پر ہے۔۔۔ اس کی حقیقت یوں سمجھیے کہ مسلمانوں میں عقائد کے سلسلے میں توحید، رسالت، آخرت، قرآن، ملائکہ وغیرہ کے سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں اعمال میں جو ارکان اسلام ہیں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ اور کلمہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ اعمال کی بعض صورتوں میں جو اختلاف نظر آتا ہے

(باقی صفحہ ۶ پر)

تصانیف حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

— تصوف —

تعارف	۳/۰
دلائل السلوک خاص ایڈیشن	۴۰/۰
دلائل السلوک انگریزی ایڈیشن	۶۰/۰
اسرار الحرمین	۱۵/۰
علم و عرفان	۳/-
عقائد و کمالات علماء دیوبند	۷/۰

حیات بعد الموت

سیف اویسیہ	۱۰/۰
حیات برزخیہ	۲۰/۰
حیات انبیاء	۱۵/۰
حیات النبیؐ مذہب اہل سنت کی نظر میں	۱۰/۰

شیعیت کا تحقیقی مطالعہ

الدین الخالص	۲۵/-
ایمان بالقرآن	۲۰/۰
تحذیر المسلمین	۲۵/۰
آیات اربعہ	۵/۰
تحقیق حلال و حرام	۵/۰
حرمت ماتم	۵/۰
ایجاد مذہب شیعہ	۵/۰
شکست اعدائے حسین	۴/۰
داماد علی	۲/۵۰
بنات رسول	۳/۰
الجمال والکمال	۵/۰

تصانیف حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہ

اسرار التنزیل حصہ اول	۱۰/۰
اسرار التنزیل 〃 دوم	۱۰/۰
اسرار التنزیل 〃 سوم	۱۰/۰
اسرار التنزیل 〃 چہارم	۱۰/۰
چار پارے مکمل و مجلد	۵۰/۰
دیار حبیب میں چند روز	۵/۰
ارشاد السالکین I	۴/۵۰
امیر معاویہ	۱۰/۰
راہی کرب و بلا	۲/۰
عصر حاضر کا امام	۱/۰
ارشاد السالکین دوم	۲/۰

تصانیف پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم اے اسلامیات و عربی

ذکر اللہ عربی	۳/۰
لغزشیں	۱۰/۰
اطمینان قلب	۱۵/۰
تصوف و تعمیر سیرت	۱۰/۰
کس لئے آئے تھے؟	۸/۰
خدایا ایں کرم بار دگر کن	۱۰/۰
بزم انجم	۲۰/۰
دین و دانش	۱۰/۰
کونوا عباد اللہ	۳/۰
انوار التنزیل	۴/۵۰
مغالطے	۵/۰

ماہنامہ المرشد چکوال

بیاد
حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

زیر سرپرستی
حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہ

اصلاح احوال باطنی اصلاح

بدل اشتراک

سالانہ چندہ — ۸۰/۰۰
ششماہی — ۴۰/۰۰
فی پرچہ — ۷/۰۰
تاحیات — ۵۰۰/۰۰

— بیرون ممالک —

سعودی عرب، کویت، سری لنکا
بھارت سالانہ چندہ — ۱۰۰/۰۰
متحدہ عرب امارات، مسقط ۱۸۰/۰۰
یورپ — ۲۰۰/۰۰
لیبیا — ۲۰۰/۰۰
امریکہ، کینیڈا — ۲۲۵/۰۰
تاحیات — [illegible]

— سول ایجنٹ —

اویسیہ کتب خانہ
الوہاب مارکیٹ
اردو بازار، لاہور

ملنے کا پتہ: ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دار العرفان منارہ ضلع چکوال